مزارِ غالب

مرزا غالب کے مزار کی تا حال حقیقی روداد



ڈاکٹر شمس بدایونی

غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی

مزارِ غالب

(مرزا غالب کے مزار کی 1869ء سے تا حال تحقیقی روداد)

ڈاکٹر شمس بدایونی

غالب اکیڈمی
بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی-110013

Mazar-e-Ghalib

by

Dr. Shams Badauni

کتاب : مزار غالب- تحقیقی روداد

مصنف : ڈاکٹر شمس بدایونی

اشاعت : 2011ء

صفحات : 112

قیمت : [redacted]

ناشر : غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی-110013

طباعت : نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی

کمپوزنگ : اردو بک ریویو، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002

ISBN : 978-81-904001-4-5

ترتیب



حرفِ چند

غالب ایسے خوش قسمت شاعر ہیں کہ ان پر اردو میں سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ جتنی شہرت و مقبولیت غالب کو حاصل ہوئی کسی اور کو نہ مل سکی۔ آج غالب کو دنیا کے عظیم ترین شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ دہلی میں غالب کی کوئی ذاتی جائیداد نہ تھی۔ ان کا آبائی قبرستان آگرہ میں تھا۔ غالب کی خواہش تھی کہ انھیں ان کے سسرالی قبرستان واقع بستی حضرت نظام الدین میں دفن کیا جائے۔ سوئے اتفاق کہ غالب کا مزار حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے راستے میں ہے اور خاصی تعداد میں غالب کی قبر پر بھی روزانہ لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

غالب کے کلام کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا اور غالب کے مداحوں نے مزار پر بھی توجہ دی اور ان کی ایک یادگار قائم کرنے کے لیے تحریکات بھی شروع ہوئیں۔ غالب کی قبر گمنامی کا شکار کبھی نہیں ہوئی۔ مولانا الطاف حسین حالی اپنی حیات میں غالب کی قبر پر فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور قبر کی مٹی بھی درست کرتے تھے۔ لیکن مزار یا مقبرے کی تعمیر حسب توقع نہ ہوئی تھی۔ ایک انگریز صحافی مارٹن نے لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ پانیر میں ایک مراسلہ لکھ کر لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ پھر اردو پریس میں بھی اپیلیں شائع ہوئیں اور غالب کی یادگار قائم کرنے کے لیے تحریک شروع ہوئی۔ مزار غالب کی تعمیر ہوئی اور یادگار کے طور پر غالب اکیڈمی کا وجود عمل میں آیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں تحریک شروع ہوئی۔ وسط میں مزار غالب کی تعمیر ہوئی۔ غالب صدی کے موقع پر 22 فروری 1969 کو غالب اکیڈمی کا افتتاح ہوا۔ مزار غالب کے تعلق سے

سو برس کی تاریخ کو ڈاکٹر شمس بدایونی صاحب نے اس کتاب میں تحقیقی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزار کی تعمیر کے بعد وقتاً فوقتاً احاطے اور فرش کی تعمیر کا کام ہوتا رہا ہے۔

غالب اور ذوق کے مزار کے تعلق سے جناب فیروز بخت نے ہندوستان ٹائمس میں ایک مضمون لکھا تھا جس کی بنیاد پر سپریم کورٹ میں ایک پی آئی ایل داخل کی گئی۔ محکمۂ آثار قدیمہ، حکومت ہند نے مزار غالب کو قومی یادگار قرار دینے کے لیے 29/ستمبر 2005 کو گزٹ شائع کیا۔ محکمۂ آثار قدیمہ اور آغا خاں فاؤنڈیشن نے مزار کے صحن اور چہار دیواری کی ازسر نو تعمیر کی۔ صحن کے پتھروں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس میں درخت لگوائے گئے اور چہار دیواری کو لوہے کی جگہ پتھر کا بنوا دیا گیا ہے۔ یہ جدید تعمیری کام مارچ 2010 میں مکمل ہوا اور نائب صدر جمہوریہ ہند جناب حامد انصاری نے افتتاح کیا۔ عہد بہ عہد مزار کی حالت کتاب میں تصاویر کے ذریعے بھی پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب مزار غالب سے متعلق بہت سی معلومات فراہم کرتی ہے جو غالب کے مداحوں کے لیے کارآمد ثابت ہوگی۔ امید ہے اکیڈمی کی دیگر مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

3/جنوری 2011ء
عقیل احمد

پیش لفظ

اردو کے ممتاز شعرا و ادبا کے مزارات کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ کرنے کا خیال بیسویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوا۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے والا مولانا محمد حسین آزاد (ف 1910) کا جہانگیر نامی ایک شاگردِ رشید تھا جس نے دہلی کے قدیم قبرستانوں کی زیارت کرنے کے دوران عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے استاد کے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی (ف 1854) کے مزار کی خاطر خواہ مرمت و درستگی کرائی۔ اسی شخص نے دوسرے ممتاز افراد کے مزارات کی مرمت و درستگی کے لیے تحریک کی اور اس سلسلے میں دو خط مدیر مخزن شیخ عبدالقادر (ف 1950) کو لکھے۔ ان مراسلوں سے تحریک پا کر شیخ عبدالقادر نے ''شعرا کے مزار'' عنوان سے ایک مضمون لکھا، جس میں انہوں نے لکھا:

> ''اردو علم و ادب میں بہ تقاضائے ضروریاتِ وقت کچھ جان تو آچکی ہے لیکن وہ ترقی کہ جسے کہتے ہیں! ابھی شروع نہیں ہوئی۔ خدا نے چاہا تو اس کا وقت بھی آئے گا۔ اُس وقت لوگ ڈھونڈیں گے کہ وہ بزرگ کہاں ہیں جن کی انتھک محنتوں اور جاں فشانیوں سے اس لٹریچر کی پہلی شہرت ہوئی اور جنہوں نے اس ہندی نژاد بولی کو رشکِ فارسی بنا دیا۔ احسان مندی کا احساس تقاضا کرے گا کہ ان کی آرام گاہِ خاکی تلاش کر کے اس پر شکریے کے پھول چڑھائیں اور دردِ دل سے ان کی یاد میں دو آنسو بہائیں۔ لیکن اگر اس وقت تک ہماری غفلت اور زمانے

کی بے دردی سے اُن کے مزاروں کے نشان تک مٹ گئے تو سوائے حسرت کے اس تلاش کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ پس اس وقت جب ابھی ان نامور گذشتگان کی نشانیاں باقی ہیں انہیں بچانا اور ان کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض کے ادا کرنے کی تحریک کے لیے حضرت ذوق کے مزار کی مرمت کہ یہ قابلِ تقلید مثال ہے، کافی ہے۔"

(مخزن لاہور، جنوری 1907)

مذکورہ بالا مضمون کو تحفظِ مزاراتِ شعرا کے سلسلے کی پہلی روایت کہہ سکتے ہیں۔ پہلی اس معنی میں کہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد ناموران دہلی کی قبور کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے اور کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ مخزن ہی کے مارچ 1907 کے شمارے میں جہانگیر نامی اسی شخص نے "شعرا کے مزار" عنوان ہی سے ایک مختصر مضمون لکھا جس میں غالب اور مومن کی قبروں کی شکستگی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی فوری مرمت کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ اسی سلسلے میں مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی کا طویل مضمون "قبور دہلی سرگذشت" تین قسطوں میں شائع ہوا۔ (مخزن- مئی، جون، اگست 1907) گویا جنوری 1907 سے اگست 1907 تک "تحفظِ مزاراتِ ناموران دہلی" کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہا۔

دوسری روایت ایک انگریز ڈاکٹر جے مورٹن کا وہ مراسلہ ہے جو 7 جون 1911 کو ڈیلی پائنیر (الہ آباد) میں شائع ہوا تھا۔ یہ مراسلہ مزارِ غالب کی تعمیر سے متعلق ہے۔ اس مراسلے کی بازگشت 1911 سے 1953 تک تقریباً 42 سال ملک کے طول وعرض میں محسوس کی گئی اور ہندوستان کے نام ور افراد اور اخبارات ورسائل اس مراسلے سے متاثر ہوکر ہی تحریکِ تعمیرِ مزارِ غالب کے لیے کوشاں ہوئے۔ لیکن اس کے نتائج حسب دل خواہ برآمد نہیں ہوسکے۔

مرزا غالب کی وفات کو فروری 2010 تک 140 سال کا زمانہ گذر چکا ہے۔ اس طویل مدت میں اُن کے مزار کی حالت و کیفیت کیا رہی؟ قبر کس طرح شکست و ریخت سے دوچار رہتے ہوئے ''قومی یادگار'' کی صورت اختیار کر سکی؟ پیشِ نظر کتاب میں اسی کی مکمل روداد پیش کی جا رہی ہے۔

کتاب کو ''الف'' اور ''ب'' کے تحت دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں مرزا کی وفات، تدفین، جائے مدفن، قبرستان، لوحِ مزار اور قبر کی ابتدائی حالت اور حلیے پر گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں قبر کو درست کرنے کی جدوجہد، چندہ، تحریکات، ترغیبات اور غالب سوسائٹی کی صورت میں تنظیموں کی کارگذاریاں اور جملہ کوشش و کاوش کے نتائج پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلہ معلومات کو مربوط اور تاریخی انداز پر مرتب کرنے کے لیے بعض مصنفین کے اقتباسات کی تکرار ناگزیر تھی، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں عموماً اپنے مضامین میں دوسرے مصنفین کے اقتباسات کم ہی نقل کرتا ہوں۔ صرف حوالے سے بات کو درج کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ زیرِ نظر کتاب میں اقتباسات کی تعداد آپ زیادہ پائیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اکثر اقتباسات رسائل سے ماخوذ ہیں اور رسائل کی فائلیں ہر شخص کی دسترس میں نہیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان تحریروں کو جو مزارِ غالب کا بنیادی ماخذ ہیں اور آسانی سے دستیاب بھی نہیں ہیں من و عن نقل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ ایک جگہ محفوظ ہو گئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ محققین کو ان تحریروں سے بعض اور نتائج اخذ کرنے میں مدد ملے گی اور وہ اصل تحریر کی طرف رجوع کرنے کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے۔

پیشِ نظر کتاب دراصل میرے ایک طویل مقالے ''مزارِ غالب'' (مطبوعہ فکر و تحقیق

دہلی، جولائی تا ستمبر 2005) کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں بہت سے نئے اضافے کیے گئے ہیں۔ حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس نسبتاً نئے موضوع پر تحقیق کی بساط بچھا پانا اور 140 سالہ تاریخ کی گم شدہ کڑیوں کو ڈھونڈ نا اور باہم مربوط کر پانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ قسمت نے یاوری کی، اصحاب تحقیق نے تعاون دیا، قارئین نے حوصلہ بڑھایا نتیجہ میں کتاب حاضر ہے۔

پروفیسر قمر رئیس (ف 2009) نے دہلی اردو اکادمی کی جانب سے اس کتاب کی اشاعت کی پیشکش کی تھی لیکن میں بعض اہم ماخذ کی عدم دستیابی کے سبب مسودہ انہیں نہیں بھیج سکا۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب اب غالب اکیڈمی دہلی کی جانب سے شائع ہو رہی ہے۔ صحیح معنی میں اس کتاب پر پہلا حق غالب اکیڈمی ہی کا ہے۔

میں ڈاکٹر عقیل احمد سکریٹری غالب اکیڈمی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی بلکہ بعض ماخذ کی دستیابی میں بھی مدد کی۔

ڈاکٹر حنیف نقوی (بنارس) نے منادی (دہلی) کا غالب نمبر، فروری 1936 اور مزارِ غالب کا ایک فوٹو عنایت کیا۔ سید مسعود حسن (پٹنہ) نے میری طلب پر ہمایوں لاہور اور ادیب الٰہ آباد سے مطلوبہ مواد، خصوصاً مزار غالب کے فوٹوؤں کے عکس فراہم کیے۔ ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی) نے انجمن ترقی اردو کے آرکائیوز سے مزار غالب کا ایک قدیم فوٹو عنایت کیا۔ اس علم دوستی کے لیے میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد دوسرے شعرا کے مزارات پر بھی اسی انداز کی کتابیں لکھنے کی تحریک ہوگی۔

28 مارچ 2010 بریلی۔

شمس بدایونی

(الف)

تدفین، جائے مدفن اور لوحِ مزار

مولانا حالی نے لکھا ہے:

آخر ذی قعدہ 1285 ہجری کی دوسری اور فروری 1869 کی پندرہویں کو تہتر برس اور چار مہینے کی عمر میں دنیا سے رحلت کی اور درگاہ حضرت[1] سلطان نظام الدین قدس سرہٗ میں اپنے خسر کے پائیں[2] مزار دفن کیے گئے...دلّی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی...تمام مراسم اہل سنت کے موافق ادا کیے گئے۔[3] (یادگارِ غالب، ص:100)

مالک رام نے مزید صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

15 فروری 1869 (مطابق 2 ذی قعدہ 1285 ہجری) روز دوشنبہ کو دوپہر ڈھلے (بوقت ظہر) اس باکمال کا انتقال ہوگیا...جنازے کی نماز دلّی دروازے کے باہر ہوئی...تمام رسوم (تجہیز و تکفین) اہل تسنن ہی کے طریقے پر ادا ہوئیں۔ قبر سلطان جی میں چونسٹھ کھمبا کے متصل خاندانِ لوہارو کے قبرستان میں ہے جہاں اس خاندان کے دوسرے افراد بھی دفن ہیں...لوحِ مزار پر میر مہدی مجروحؔ کا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے:

یا حی یا قیوم

رشکِ عرفی و فخرِ غالب مُرد اسداللہ خان غالب مُرد

کل میں غم و اندوہ میں با خاطرِ محزوں

تھا تربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غم ناک

1

دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروحؔ
ہاتف نے کہا "گنج معانی ہے تہہ خاک"
1285ھ (ذکر غالب، ص:105 تا 107)

قبرستان اور لوحِ مزار پر منقش اشعار کے بارے میں حسب ذیل صراحتیں بعض دوسرے ماخذ سے درج کی جارہی ہیں۔

سلطان جی حضرت محبوب الٰہی کے پائینتی کا وہ حصہ جہاں مزارِ غالب ہے، وہ جگہ چونسٹھ کھمبا سے متصل اور احاطہ حضرت نظام الدین سے باہر تھی اور غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ کے خاندان کی ملکیت تھی۔ (غالب سوسائٹی۔ مالک رام مشمولہ آج کل دہلی، مارچ 1958) اس میں خاندانِ لوہارو کا ذاتی قبرستان تھا جو "باغیچی اناڑے کلی" کے نام سے موسوم تھا۔ بیسوی صدی کے ربع اول میں بقول غلام رسول مہر، اس میں 23 قبریں تھیں۔ (غالب، طبع چہارم، ص: 339) اس قبرستان میں غالب کے خسر میرزا الٰہی بخش خاں معروف (ف: 1826) ان کے صاحبزادے علی بخش خاں (ف: 1864) غالب کی بیوی امراؤ بیگم کے حقیقی بھانجے نواب زین العابدین خاں عارف (ف: 1852) عارف کے صاحبزادگان میرزا باقر علی خاں کامل (ف: 1876) اور میرزا حسین علی خاں شاداں (ف: 1880) کے مزارات کی نشاندہی حمیدہ سلطان احمد نے اپنی کتاب "خاندانِ لوہارو کے شعرا" میں کی ہے۔ (ملاحظہ کریں ص: 105,99,65,52) مرزا کے مزار کے بالکل قریب ہی مشرق میں ان کی اہلیہ اُمراؤ بیگم (ف: 1870) بھی مدفون ہیں۔

مالک رام نے اپنے مضمون "سائل دہلوی" میں لکھا ہے:

"باہر نکلے تو میں نے (سائل دہلوی سے) کہا کہ اب آئے ہیں تو چلئے آپ کے دادا جان کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھ لیں۔ چنانچہ ہم

گھومتے گھامتے چونسٹھ کھمبے کے پاس اس احاطے میں پہنچ گئے جہاں غالب ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہاں فاتحہ کے بعد (وہ) مختلف قبروں کی نشان دہی کرتے رہے۔ چنانچہ (انہوں نے) بتایا تھا کہ غالب کے پاس والی قبر معروف کی ہے۔ اس کے بعد معروف کی بیوی ہیں۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے علی بخش خاں کی قبر ہے۔ معروف کی پائینتی ان کے ایک مرید محمد حیات[8] خاں ولد احمد یار خاں رامپوری ہیں اور ان کے برابر ان ہی کے صاحبزادے خان بہادر محمد نظام الدین[9] خاں ہیں۔"

(نقوش شخصیات نمبر، 2، اکتوبر 1956، ص: 848)

خاندانِ لوہارو کا یہ قبرستان پانچ فٹ اونچی چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا (غالب، ص: 339) مالک رام نے اس کے لیے لفظ "ہڑواڑ[10]" (آج کل دہلی، مارچ 1958) اور نظامی بدایونی نے لفظ "حریم[11]" استعمال کیا ہے۔ (قاموس المشاہیر، ج 2، ص: 101) شمال میں احاطے کی دیوار اور دیوار میں آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ بھی تھا جو سڑک پر کھلتا تھا۔ یعنی شمال کی طرف شاہراہ تھی (آج کل، مارچ 1958) خواجہ حسن نظامی (ف: 1955) نے لکھا ہے:

"غالب کا مزار میری درگاہ کے قریب لب سڑک واقع ہے۔"

(معیار، ص: 186)

مزارِ غالب کے جنوب میں اکبر کے کوکا مرزا عزیز[12] کا مقبرہ اور قبرستان نظر آتا تھا اسی سمت درگاہ حضرت نظام الدین سے حریم غالب تک آنے کا غیر نشاں زد راستہ تھا۔ (اخبار وطن لاہور، 8 دسمبر 1905 و معیار، ص: 186) مشرق میں اہلیۂ غالب کی قبر اور اس کے متصل اور پائینتی کی جانب خاندان لوہارو کے بعض دوسرے افراد کی قبریں تھیں۔ اس کے بعد احاطے کو گھیرنے والی دیوار، اس کے بعد شکستہ قبرستان تھا (معیار، ص: 186)۔ مغرب کی سمت مزار غالب سے متصل بیگم حکیم محمد واصل خاں[13] برادر کلاں حکیم

اجمل خاں کے ذاتی مکان کی دیوار اور بعض دوسری آراضیاں تھیں۔ بیگم حکیم واصل خاں نے مزار کی توسیع کے لیے متذکرہ مکان 1936 سے پیشتر غالب سوسائٹی کی نذر کر دیا تھا۔ (معیار، ص: 186) متصلِ مزار ایک قطعۂ آراضی حکیم عبدالحمید[14] خاں مالک ہمدرد دواخانہ دہلی (خازن غالب سوسائٹی) نے خرید کر غالب سوسائٹی کے حوالے کر دیا تھا[15]۔ (غالب، ص: 340) اسی طرح 1952 میں جب غالب سوسائٹی نے خصوصی چندہ کر کے مزار غالب کی نئی تعمیر کا منصوبہ بنایا تب جانب مغرب ایک اور مکان کسٹوڈین[16] سے خرید کر مزار غالب کا حصہ بنا دیا گیا۔ اس طور شمال سے جنوب تک احاطے کے بیچوں بیچ ایک دیوار کھینچ کر غالب اور ان کی اہلیہ کی قبر کو احاطے کو دوسری قبروں سے علیحدہ کر لیا گیا جس پر بعد میں مقبرہ تعمیر ہوا۔

قبرستان اور اس میں واقع مزارِ غالب کی یہ تفصیلات بیسویں صدی کے ابتدائی دہوں کی ہیں جو کسی نہ کسی طرح سنہ 1952 تک برقرار رہیں۔ 1952 کے بعد کی صورتِ حال پر سطورِ آئندہ میں گفتگو کی جائے گی۔

لوحِ مزار پر منقش شعر رشکِ عرفی و... الخ کے بارے میں مالک رام کے مذکورہ صدر اندراج سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ شعر بھی میر مہدی مجروح ہی کا طبع زاد ہے۔ جبکہ غلام رسول مہر نے اس شعر کا اندراج اس طور کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے خالق سے ناواقف ہیں۔ (غالب، ص: 339) حامد علی خاں[17] (بار ایٹ لا) نے اپنے مراسلے میں (جس کی عبارت سطور آئندہ میں مقتبس کی گئی ہے) اسے مرزا غالب کا قرار دیا ہے۔ (غالب نام آورم، ص: 311) غالب سے نسبت کا سبب غالباً غالب ہی کا یہ قطعۂ تاریخ رہا ہوگا جس کے متعلق مالک رام نے لکھا ہے:

ایک تاریخ جس میں اکثر اصحاب کو توارد ہوا "آہ غالب[18] بمرد" (1285ھ) ہے۔ یہ دراصل خود مرزا کے ایک قطعے سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے ازراہِ تفنن ایک مدت پہلے

اپنی تاریخ وفات میں یہ قطعہ کہا تھا:

من کہ باشم کہ جاوداں باشم　　چوں نظیری نماند و طالب مُرد
در بگویند، در کدا میں سال　　مردِ غالب، بگو کہ "غالب مُرد"
(ذکر غالب، ص:106)

"غالب مُرد" سے 1277 اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ یہ قطعہ 1277ھ/ 1860 میں کہا گیا ہوگا۔

غالب کی وفات پر حالیؔ، مجروحؔ اور سالکؔ کے مرثیے شائع ہو کر مشہور ہوئے۔ (یادگار غالب، ص:100) گمان ہے کہ یہ شعر انہی تینوں شعرا میں سے کسی ایک کا ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں اسے حالیؔ کا ہونا چاہیے کیونکہ حالیؔ نے اپنے مرثیے کے دوسرے بند کے آخری شعر کے طور پر اسے استعمال کیا ہے۔ (مرثیہ غالب، ص:3) اس شعر کے خالق کے بارے میں ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

کتبے پر کندہ مجروحؔ کے قطعے کی اولین شکل یہ تھی:

کل مرقدِ استاد پہ افراطِ الم میں　　ہاتف نے جو بیٹھے ہوئے دیکھا مجھے غم ناک
بولا، ہے اگر فکر میں، تاریخ کی مجروحؔ　　کہہ دے نہ یہی "گنج معانی ہے تہہ خاک"

یہ قطعہ اکمل الاخبار دہلی کی 17 فروری 1869 کی اشاعت میں مرزا کی وفات پر میر مہدی مجروح کے ایک خط کے آخر میں درج ہوا تھا۔ نظر ثانی کے بعد لوحِ مزار پر کندہ کرا دیا گیا۔ (ذکر غالب، ص:107)

مزار کی ابتدائی شکل و ہیئت

غالب سے متعلق دستیاب کتب (یادگارِ غالب، ذکرِ غالب، غالب نامہ) اور آثار و اکابرِ دہلی سے متعلق تصنیفات میں مزارِ غالب کی اولین شکل و ہیئت کے بارے میں تصریحات نہیں ملتیں۔ آج یہ جاننا تقریباً ناممکن ہے کہ دفن کے بعد ان کے مزار کو کب اور کس نے پختہ بنوایا تھا۔

مزارِ غالب کی ابتدائی شکل و ہیئت کیا تھی۔ فروری 1869 سے 1953 تک مزار کی حالت کیا رہی اس سلسلے کی دستیاب معلومات درج ذیل ہے۔ مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے:

> "ان کا مزار حضرت شاہ نظام الدین اولیا میں موجود ہے جس کے گرد ان کے ہندو شاگرد نے پختہ چہار دیواری کھچوا دی ہے۔"

(چراغ دہلی، ص:36)

مالک رام نے مرزا حیرت کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "میں اس بیان کی کہیں سے تصدیق نہیں کر سکا۔ نہ ان ہندو شاگرد کا نام ہی معلوم ہوا۔"

(ذکر غالب، ص:106)

نظامی بدایونی (ف:1947) نے لکھا ہے:

> "جوارِ حضرت نظام الدین اولیا میں 'چونسٹھ کھبا' کے قریب جانب شمال ایک حریم میں دفن ہوئے۔ پختہ قبر حریم کی مشرقی دیوار سے کے

سائے میں ہے جس کے سرہانے کتبے کا پتھر نصب ہے۔"

(قاموس المشاہیر، ج/2، ص:101)

بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے بعض اہل علم و قلم نے مختلف اوقات میں مزارِ غالب پر حاضری دی اور اس حاضری کی روداد کسی خط یا مضمون میں محفوظ کردی۔ ان مشاہدین نے مزارِ غالب کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اسے سطورِ ذیل میں ترتیب وار درج کیا جارہا ہے۔

(۱) 1905 میں جب علامہ اقبال (ف: 1938) اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے لاہور سے یوروپ کے لیے عازم سفر ہوئے تو انہوں نے 2 ستمبر 1905 کو دہلی میں حضرت محبوب الٰہی کے روضے پر حاضری دی اور مزارِ غالب پر بھی خواجہ حسن نظامی (ف: 1955) کے ہمراہ فاتحہ خوانی کے لیے پہنچے۔ اقبال کی مزارِ غالب پر حاضری کی روداد قلم بند کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی نے مزار کے بارے میں لکھا ہے[۲۱]:

"مزارِ غالب کا آدھا چبوترہ مٹی میں پوشیدہ تھا۔ ہم اس رخ ایک کچی دیوار کا تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ یہ چھوٹی سی دیوار غالب کے دائیں[۲۲] پہلو میں اُداس اور چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس نے باوجود بے سروسامانی ہم پر سایہ ڈالا اور مرنے والے غالب کی طرف سے میزبانی کی۔ نیرنگ[۲۳] و اقبال پر اس سین کا اتنا اثر تھا کہ افسردگی کے عالم میں خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے۔"

(اخبار وطن لاہور، 8 ستمبر 1905، بحوالہ غالب اور عصر غالب، ص:247)

(۲) 1907 میں مخزن (لاہور) کے ایک مراسلہ نگار جہاں گیر (دہلی) نے شیخ عبدالقادر مدیر مخزن کے مضمون "شعرا کے مزار" (مطبوعہ جنوری 1907) پر اظہار خیال کرتے ہوئے مزار غالب کی زبوں حالی کی بابت لکھا:

"مرزا غالب کی عین قبر پر پاس والی احاطے کی دیوار تھوڑے

دن ہوئے گر پڑی ہے اور قبر تمام اس کے نیچے دب گئی ہے۔ لوحِ مزار کو جس پر مجروح مرحوم کی کہی ہوئی تاریخ کندہ ہے، تعجب کی بات ہے کہ کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ ورنہ یہ پتھر سنگِ سفید بہت پتلا ہے۔ اگر دیوار کا کوئی بھاری پتھر اس پر آ کر پڑتا تو ضرور یہ ٹوٹ جاتا[24] اس قبر کو اوپر سے صاف کروا کے دوبارہ احاطے کی دیوار کو بنوا دینا بہت ضروری ہے۔ ورنہ رفتہ رفتہ حالت ابتر ہوتی جائے گی۔" (مخزن، مارچ 1907)

(۳) 1911 میں ڈاکٹر جے مورٹن نے اپنے مراسلے میں مزار غالب کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

"یہ قبر نظام الدین اولیا میں واقع ہے۔ چونکہ احاطے کے باہر ہے اس لیے اس کے وجود سے ان وارثین کو بھی اطلاع نہیں ہے جو دلچسپی لیتے ہیں... قبر ایک ٹوٹے پھوٹے احاطے میں واقع ہے جس کی دیوار منہدم ہو رہی ہے اور پتھر کا فرش گرے ہوئے ریزوں میں پوشیدہ ہو گیا ہے، سرہانے کا لوح مزار سنگ مرمر کا ہے اور اس پر ایک نظم کندہ ہے۔" (ڈیلی پانیر الہ آباد، 7 جون 1911)

(۴) بیرسٹر حامد علی خاں لکھنوی ڈاکٹر جے مورٹن کے مراسلے کی تائید میں اسی اخبار میں ایک خط لکھتے ہیں اور اس میں یہ نئی اطلاع دیتے ہیں:

"چند سال ہوئے کہ میں نے ان کی قبر کی زیارت کی تھی۔ دو پتھروں پر تاریخ کندہ ہے۔ ایک خود غالب کی تصنیف ہے[25]۔ دوسری ان کے مشہور شاگرد مجروح کی۔ جس کا چوتھا مصرعہ یہ ہے۔

ہاتف نے کہا: گنجِ معانی ہے تہہِ خاک

(ڈیلی پانیر الہ آباد، 12 جون 1911 بحوالہ غالب نام آورم، ص: 311)

(۵)　1919 یا 1920 کے آس پاس نادم سیتاپوری (ف: 1983) نے مزار غالب پر حاضری دی۔ غالب کی قبر کا حال انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کوئی تیس برس ہوئے پہلی بار میں غالب کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے گیا تو نہایت ہی شکستہ اور بے مرمت حالت نظر آئی۔ ایسی حسرت اور ویرانی برس رہی تھی کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چہار دیواری بھی کہیں کہیں سے ٹوٹی ہوئی تھی اور پختہ قبر تو گویا اینٹوں کا ایک ڈھیر بن کر رہ گئی تھی۔ پھر 'نے چراغے نے گلے' کا منظر اس سے بھی زیادہ حسرت آگیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہفتوں جھاڑو بھی نہیں دی گئی۔"

(العلم کراچی، غالب نمبر 1969، ص: 144)

(۶)　مولوی بشیر الدین احمد (ف: 1927) 1919 یا اس سے کچھ قبل، مزارِ غالب کی کیفیت کا بیان یوں کرتے ہیں:

"چونسٹھ کھمبے سے ملا ہوا بجانب شمال ایک احاطے میں اور قبروں کے ساتھ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ غالبؔ عرف مرزا نوشہ کی پختہ قبر ہے۔ (ص: 854)... قبر بالکل سادی سودی ہے۔ اتنا بڑا نامی گرامی شاعر اور اس کی قبر جو آج یادگارِ زمانہ ہوتی اس کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ وائے برقوم۔ قبر پر یہ کتبہ ہے... جس سے معلوم ہوتا ہے اوہو یہ غالب کی قبر ہے ورنہ کوئی جانتا بھی نہ کہ یہ در بے بہا کہاں رُل گیا۔" (واقعات دار الحکومت دہلی، ج/2، ص: 872)

(۷)　ڈاکٹر سید محمود غازی پوری (ف: 1971) نے اکتوبر 1919 میں دہلی میں قیام کے دوران 'دیوان غالب' پر مقدمہ لکھا، تو مزار کے بارے میں بے ساختہ لکھ گئے:

"افسوس غالب کا مزار دلّی میں جس حالت میں پڑا ہوا ہے اسے دیکھ کر ایک فلسفی کا قول یاد آتا ہے، جس نے کہا تھا کہ اگر تم کو کسی قوم کی

حالت کا اندازہ کرنا ہو تو تم اس کے مزارات پر چلے جاؤ' غالب کے مزار پر جا کر جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مجھے ویمر میں گوئٹے[۸-الف] کے مزار کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے، ایک وہاں کی قدر دانی ہے اور ایک یہاں کی کسمپرسی۔ دونوں کا فرق دیکھ کر اقبال کا مشہور شعر جو اس نے غالباً ایسی ہی کیفیت سے متاثر ہو کر لکھا ہوگا، بے اختیار میری زبان پر جاری ہوگیا:

آہ تو اجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے"

(مقدمہ دیوان غالب، بدایوں طبع سوم 1920، ص:23)

(۸)　غلام رسول مہر (ف: 1971) کی کتاب ''غالب'' کا پہلا ایڈیشن 1936 میں شائع ہوا۔ 1920 کے بعد کے عرصے میں انہوں نے بھی مزار غالب پر حاضری دی اور اپنے مشاہدے کو دو عنوانات ''مزار'' اور ''درستی مزار کی کوششیں'' قائم کر کے درجِ کتاب کیا۔ انہوں نے لکھا:

''غالب جس احاطے میں مدفون ہیں اس میں چھوٹی بڑی تیئس قبریں ہیں۔ احاطے کے اردگرد قریباً پانچ فٹ اونچی دیوار ہے۔ تمام قبروں کے متعلق ٹھیک سے نہیں کہا جاسکتا کہ کس کس کی ہیں لیکن اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ غالب کے علاوہ اس احاطے میں نواب الٰہی بخش خاں معروف، میرزا علی بخش خاں[؟] رنجور، زین العابدین خاں عارف، میرزا باقر علی خاں کامل اور بیگم غالب بھی دفن ہیں۔ بقیہ قبریں بھی اسی خاندان کے افراد کی ہوں گی۔

غالب کی قبر پر چونے کا پلستر ہے۔ سرہانے سنگ مرمر کی ایک لوح نصب ہے جس پر

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد
اسداللہ خانِ غالب مُرد

کے علاوہ میر مہدی مجروح کا یہ قطعہ کندہ ہے۔" (غالب، ص:339)

(۹) خواجہ حسن نظامی (1878-1955) نے فروری 1936 میں اپنے مضمون "غالب کا حلیہ" میں مزارِ غالب پر حسب ذیل تاثر درج کیا:

"نواب اسداللہ خاں غالب کی قبر میرے گھر سے سو قدم کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے اور میں نے جس مکتب میں تعلیم پائی تھی وہ اس قبر کے سامنے ہے۔ مرزا غالب (مزار غالب) کے سرہانے پچاس برس پہلے جب میری عمر نو سال کی تھی گوندنی کا ایک درخت تھا۔ مکتب سے جب چھٹی ملتی تو میں اس درخت کی گوندنیاں قبر کے پاس بیٹھ کر کھایا کرتا تھا۔ اگر شاعری کی شریعت میں اس کو شاگردی کہہ سکتے ہوں تو میں اس طرح غالب کا شاگرد ہوں۔"

(منادی دہلی، 28-21 فروری 1936)

خواجہ صاحب کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1878 ہے۔ 9 برس کی عمر میں انھوں نے مزارِ غالب کے سرہانے گوندنی کا درخت دیکھا تھا۔ یہ 1887 کا سنہ رہا ہوگا لیکن فروری 1936 میں جب انھوں نے مذکورہ بالا سطور قلم بند کیں تب یہ درخت موجود نہیں تھا۔

بیسویں صدی کے اوائل (1905 تا 1936) میں دی جانے والی ان اطلاعات و بیانات کا خلاصہ یہ ہوگا کہ:

غالب کا مزار ایک چبوترے (کچے یا پکے یا کسی قدر بلند حصے) پر واقع تھا۔ مزار کے سرہانے گوندنی کا ایک پھل دار درخت تھا۔ مزار کے اطراف میں پختہ اینٹوں کی نصف قد آدم چہار دیواری تھی۔ چہار دیواری کے اندر کا فرش لال پتھر کا بنا ہوا تھا مگر ملبے سے دبے ہونے کے سبب کچا معلوم ہوتا تھا۔ مزار لکھیا اینٹوں کا بنا ہوا تھا جس پر چونے کا

پلاسٹر تھا۔ قبر کے سرہانے لوحِ مزار سنگ مرمر کا تھا جس پر ایک ہی پتھر نصب تھا اس پر علاوہ شعر رشک عرفی و فخر ...الخ میر مہدی مجروح کا قطعہ تاریخ کندہ تھا۔ مزار کا پلاسٹر اُدھڑ چکا تھا۔ دائیں طرف (یعنی مغرب کی سمت) کی دیوار اور مزار کے اطراف کی چہار دیواری کے پلاسٹر اور جہاں تہاں سے اینٹوں یا پتھروں نے اکھڑ کر مزار کے چبوترے اور فرش کو ڈھانپ لیا تھا۔ مزارِ غالب کے درگاہ حضرت نظام الدین کے احاطے سے باہر ہونے، قبرستان کے اردگرد پانچ فٹ اونچی دیوار (باؤنڈری) ہونے اور درگاہ سے مزار تک آنے کے لیے مستقل راستہ نہ ہونے کے سبب عام لوگوں کا مزار تک گزر نہیں تھا۔ مزار پر چھت نہ ہونے، مغرب کی سمت قبرستان کی آخری حد پر ہونے کے سبب اردگرد کی مٹی اور آس پاس کے درختوں کے پتے جھڑنے کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ جھاڑو لگانے اور مزار کو صاف ستھرا رکھنے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔

مزار کے قدیم فوٹو

(۱) راقم الحروف کے پیشِ نظر مزار غالب کے متعدد قدیم فوٹو ہیں اور ان میں آپس میں خاصی مشابہت بھی ہے۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں پہلا فوٹو میاں مسعود اختر نامی کسی شخص کا اتارا ہوا ہے جو جون 1935 میں ماہنامہ ہمایوں لاہور کے صفحہ 44 پر شائع ہوا۔ اسی شمارے میں دہلی میں غالب سوسائٹی کے قیام کی خبر بھی ''جہاں نما'' عنوان کے تحت دی گئی تھی۔ اس خبر کے اختتام پر حسب ذیل الفاظ میں شکریہ ادا کیا گیا ہے:

''غالب کے مزار کی تصویر کے لیے ہم میاں مسعود اختر صاحب کی تصویر کشی کے منت گزار ہیں۔''

متذکرہ فوٹو کے نیچے غالب کے تین فارسی شعر نقل کیے گئے ہیں۔ اس فوٹو کو من وعن شامل کیا جا رہا ہے۔

اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ فوٹو مزار پر دوبارہ پتھر نصب کیے جانے اور نواب نصر اللہ خاں صدر محاسب سرکارِ حیدر آباد کے ذریعے قبر غالب کی مرمت کرائے جانے سے پیشتر کا ہو۔ یہ مدت 1912 سے 1935 کے درمیان کی ہو سکتی ہے۔

(۲) مزار غالب کا دوسرا فوٹو ہمایوں لاہور 1936 کی اشاعت میں ص: 273-274 کے درمیان شائع ہوا۔ اس میں قبر کے علاوہ جانب شمال مزار کے احاطے میں

داخل ہونے والے اُس آہنی گیٹ کا فوٹو بھی ہے جس کا ذکر مالک رام نے اپنے مضمون ''غالب سوسائٹی'' میں کیا ہے۔ (آجکل دہلی، مارچ 1958) اس گیٹ کے اوپر پتھر کا ایک کتبہ نصب ہے جس کی پہلی سطر پر غالباً کوئی آیت مرقوم ہے اور دوسری سطر میں غالباً ''مدفن غالب'' لکھا ہے۔ لفظ غالب کے علاوہ پتھر پر کندہ حروف پڑھنے میں نہیں آئے۔

یہ فوٹو کس نے اُتارا؟ ہمارے علم میں نہیں۔ غالب کی قبر اور مدفن کے فوٹو کے ساتھ ہی ذوق کی قبر اور احاطۂ مزارِ ذوق کا بھی فوٹو ہے اور خواجہ حسن نظامی کا ایک صفحہ پر مشتمل نوٹ بہ عنوان ''غالب اور ذوق کی قبریں'' بھی شائع ہوا ہے۔ اس میں ذوق کی قبر کے تذکرے میں یہ اطلاع دی گئی ہے:

> ''گذشتہ مہینے (یعنی مارچ 1936 میں) میاں بشیر احمد صاحب ایڈیٹر ہمایوں لاہور تشریف لائے اور انہوں نے مرقد ذوق کی زیارت کا شوق ظاہر کیا تو میں حکیم ہمدرد صاحب کے ساتھ میاں صاحب کو وہاں لے گیا اور میاں صاحب نے مزار کی تصویر بھی اُتاری۔'' (ص:274)

لہٰذا گمان بدرجہ یقین ہے کہ ذوق اور غالب دونوں کے مزارات کی تصویریں مدیر ہمایوں کے کیمرے کی رہین منت ہیں۔

(۳) مزار غالب کا ایک بہت صاف اور واضح فوٹو انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے آرکائیوز سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ فوٹو غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی نے (غالباً 1969 میں غالب صدی تقریبات کے موقع پر) تہنیتی کارڈ کی صورت میں بھی شائع کیا تھا۔ اس فوٹو کے اتارے جانے کے زمانے کا صحیح تعین نہیں ہوسکا۔

دہلی کے متعدد بزرگ شخصیات سے اس کے بارے میں گفتگو ہوئی، سبھی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ البتہ خواجہ حسن ثانی نظامی (دہلی) نے اس فوٹو کے بارے میں یہ رائے ظاہر فرمائی کہ یہ 1940 سے پہلے کا ہوسکتا ہے۔

(۴) مزار غالب کے مذکورہ فوٹو سے ملتی جلتی تصویر مولوی غلام رسول مہر کی کتاب غالب (لاہور 1936 طبع اول) میں صفحہ 256 اور 257 کے بیچ بھی دی گئی ہے۔ اس طور پر اس کے زمانے کا تعین اوائل 1936 یا قبل 1936 طے ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ دونوں فوٹو فروری 1936 میں منعقدہ پہلے "یوم غالب" کے موقع پر لیے گئے ہوں گے۔

(۵) ایک تصویر ماہنامہ آجکل دہلی کے کسی غالب نمبر میں بھی شائع ہوئی تھی، یہ تصویر ڈاکٹر حنیف نقوی (بنارس) نے عنایت کی لیکن اس کی اشاعت کا حوالہ نہیں مل سکا۔ یہ تصویر آرکائیوز سے دستیاب تصویر سے قدرے مختلف ہے۔ یعنی یہ دوسرے زاویے سے اتاری گئی ہے۔ اس میں لوحِ مزار پر کندہ اشعار پڑھنے میں نہیں آتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کھدے ہوئے حروف چونے سے بھر چکے ہیں۔ البتہ مزار مذکورہ تمام تصاویر سے بہتر اور صاف ستھرا دکھائی دیتا ہے۔ قبر پر کیے گئے پلاسٹر کے نقوش صاف اور واضح ہیں۔ یہ فوٹو مرمت کے بعد کا ہو سکتا ہے۔

(۶) مزار غالب کی ایک تصویر 1950 کے بعد کی ہے۔ یہ تصویر ماہنامہ مجلّہ بدایوں کراچی (اپریل 1996) میں شائع ہوئی تھی۔ گمان ہے کہ یہ تصویر شکیل بدایونی (ف: 1970) کی بیٹی رضیہ شکیل (مقیم حال کراچی) سے ارباب مجلّہ کو فراہم ہوئی ہوگی۔

پیش نظر تصویر میں مزار غالب ماقبل کی طرح کھلے آسمان کے نیچے واقع ہے۔ مغرب کی سمت کچی شکستہ دیوار بھی فوٹو میں صاف دکھائی دیتی ہے جس پر کوئی شخص اکڑوں بیٹھا قبر پر چادر پوشی کا منظر دیکھ رہا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تصویر فلم مرزا غالب کی شوٹنگ، فلم کی تکمیل یا فلم ریلیز ہونے کے دوران اتاری گئی ہوگی۔ فلم مرزا غالب 1954 میں ریلیز ہوئی تھی۔ جون 1954 میں مزار غالب پر موجودہ تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ لہٰذا یہ تصویر جون 1954 سے پیشتر کی ہے۔

اس تصویر میں شکیل بدایونی (ف: 1970) فلم غالب کے ڈائریکٹر سہراب مودی (ف: 1984) اور فلم ایکٹریس مہتاب کو مزار پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ تمام تصاویر سطور گذشتہ میں ہمارے بیان کردہ قبر کے حلیے کی توثیق کرتی نظر آتی ہیں۔

غالب خاندان لوہارو کے داماد تھے اور اسی خاندان کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے اعزا، احباب، متعلقین اور تلامذہ کی ایک بڑی تعداد سوگوار چھوڑی تھی۔ ان کی وفات کے بعد اخباروں میں ماتم ہوا، مرثیے لکھے گئے اور تاریخی قطعات تو بے شمار کہے گئے۔ (یادگارِ غالب، ص: 100) لہٰذا یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی قبر کو تدفین کے بعد پختہ نہ بنایا گیا ہو اور اسے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ اگرچہ اس کا تحریری ثبوت موجود نہیں، غالب سے عقیدت رکھنے والوں نے مزارِ غالب کی شکستگی، کسمپرسی، ویرانی وغیرہ کا اپنے اپنے انداز میں نوحہ و ماتم تو بہت کیا ہے لیکن وہ کئی اہم حقیقتوں کو نظر انداز کر گئے۔

(۱) بیسویں صدی سے پیشتر شعرا کے مزارات کے تحفظ کا قوم میں احساس موجود نہیں تھا۔

(۲) صاحب ثروت وحیثیت خاندانوں کے ذاتی قبرستان ہوتے تھے (یعنی ہڑواڑیں) جن کی دیکھ ریکھ، درستگی و مرمت کا ذمہ انہی خاندانوں کے موجود افراد کا ہوتا تھا۔ اس میں باہری لوگوں کا دخل دینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

(۳) غالب کوئی صوفی یا ولی نہیں تھے کہ لوگ ان کی قبر پر عقیدت کے پھول چڑھاتے اور چراغاں کرتے۔ وہ ایک ایسے آزاد خیال شاعر تھے جن کے مذہب کے بارے میں آج بھی لوگوں کے ذہن صاف نہیں۔

(۴) مزار غالب پر (درگاہ حضرت نظام الدین کے احاطے سے باہر پختہ حریم میں ہونے کے سبب بھی) عام لوگوں کی آمد و رفت نہیں تھی۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کے سبب مزارِ غالب ایک طویل عرصے تک خستہ حالی سے دوچار رہا۔ دراصل ان کے مزار کی مرمت، صفائی اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری ان کے اعزا اور تلامذہ کی تھی جنہوں نے کوتاہی برتی۔

مزار غالب کی شکل و ہیئت کے کسی حد تک تعین کے بعد اب بیسویں صدی میں غالب کے مزار کی مرمت اور نئی تعمیر کی جو کوششیں ہوئی ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

(ب)

مزار کی مرمت و تعمیر کی اولین جدوجہد

(۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۵ء)

مزارِ غالب کی مرمت اور اسے ایک یادگار[1] کے طور پر محفوظ کرنے کا احساس پہلی مرتبہ وسط 1911 میں ایک یورپین شخص ڈاکٹر جے مورٹن کو ہوا جو اخبار میں ایک مطبوعہ مراسلے کے ذریعے ملک کے سنجیدہ اہل قلم اور پرستاران غالب کو اس کام کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس طور ملک کے طول و عرض میں ''مزارِ غالب کا تحفظ'' عنوان نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی جو سبک رفتاری کے ساتھ 1911 سے 1955 تک چندوں، کمیٹیوں، اسکیموں، تجاویز اور مشوروں کے درمیان کبھی دم پکڑتی رہی اور کبھی دم توڑتی رہی۔ تا آنکہ ستمبر 1953 میں ''غالب سوسائٹی'' (دہلی) قائم ہوئی اور اس کی کوششوں سے دسمبر 1954 میں مزارِ غالب پر سنگ مرمر کی چوکھنڈی بنانے کا کام تکمیل کو پہنچا۔[2]

اگرچہ اس سے پیشتر بھی اس احساس کو صفحات پر درج کیا جا چکا تھا کہ مزار غالب کی از سر نو تعمیر و مرمت کی جائے لیکن اس احساس میں وہ دردمندی اور اپیل نہیں تھی جو مورٹن کے بیان میں تھی۔ 1907 میں سر شیخ عبدالقادر (ف: 1950) نے اپنے رسالے مخزن

میں ''شعرا کے مزار'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا تھا اس سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ ذوق کے ایک شاگرد کے شاگرد نے انہی دنوں ذوق کے مزار کی مرمت کرادی تھی۔ عبدالقادر نے جہانگیر نامی ایک مراسلہ نگار کے دو مکتوب اپنے مضمون میں نقل کیے ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہے:

> ''میں آپ کو بڑی خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ حضرت دادا استاد (مراد ذوق) کے مزار کی مرمت بہ خوبی کردی گئی ہے۔ دس بیس سال کو اطمینان ہو گیا پھر زندگی رہی تو دیکھا جائے گا۔''

اسی مراسلہ نگار نے سر شیخ عبدالقادر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''کیوں نہ آپ انجمن ترقی اردو میں اس کے لیے تحریک کریں اور اگر وہاں شنوائی نہ کرتے ہوں تو مخزن کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کر کے چندہ جمع کیا جائے۔ دہلی میں، ذوق، غالب، خواجہ میر درد، حافظ، ویران ہیں...''

اس پر شیخ عبدالقادر نے لکھا:

> ''اگر کثرتِ رائے سے یہ قرار پا گیا کہ مخزن کے متعلق ایک کمیٹی اس غرض سے ہو تو مخزن بڑی خوشی سے یہ خدمت اپنے ذمہ لے گا۔''

(مخزن، جنوری 1907)

1969 میں سید محمد اظہر نادم سیتاپوری (ف: 1983) نے ''غالب کی آخری آرام گاہ'' عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا (مطبوعہ العلم کراچی، غالب نمبر 1969) جس میں انہوں نے بڑی حد تک ''تحریک تحفظ مزارِ غالب'' کو متعارف کرا دیا تھا۔ بعد میں یہ مقالہ ان کے مضامین کے مجموعے 'غالب نام آورم' (لاہور 1970) میں حذف و اضافے کے ساتھ بہ عنوان ''مزارِ غالب'' شامل ہوا۔ اسی سلسلے کا ایک مقالہ ڈاکٹر سعادت علی

صدیقی (ف:1994) کا بھی بہ عنوان ''غالب کی یادگار قائم کرنے کی اولین کوششیں'' اردوئے معلی (غالب نمبر حصہ سوم، شمارہ 10، 1969 دہلی) میں شائع ہوا تھا۔ جس میں غالب کے مزار سے متعلق مولانا محمد علی جوہرؔ (ف: 1931) کی جملہ تحریری اپیلیں جو کامریڈ کلکتہ میں شائع ہوئی تھیں اور ''مزار غالب فنڈ'' میں چندہ دینے والے افراد کے اسما مع رقوم، حوالوں کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ اب تک کی دستیاب معلومات کی روشنی میں مذکورہ دونوں مقالے اس تحریک کے بارے میں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے کا کچھ مواد ان مقالہ نگار حضرات کی دسترس میں نہیں آسکا۔ مثلاً جے مورٹن کے انگریزی مراسلے کا اصل متن، معین الدین شاہجہانپوری کا مراسلہ، نظامی بدایونی کے شذرات، خواجہ حسن نظامی کی تحریریں وغیرہ۔ درمیان میں بعض خلا اور بھی تھے جنھیں مواد کی عدم دستیابی کے سبب وہ پُر نہیں کرسکے اور اس تحریک کو تاریخی تسلسل میں پیش کرنے سے قاصر رہے۔ 1999 میں شاہد ماہلی کی کتاب ''مزاراتِ غالب و ذوق'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی اس تحریک کے سیاق و سباق کو مطالعے کا عنوان نہیں بنا سکی۔

راقم الحروف نادم سیتاپوری اور سعادت علی صدیقی کی تلاش و تحقیق کے اعتراف کے ساتھ ان کی پیش کردہ معلومات پر اضافے اور انھیں تاریخی تسلسل دیتے ہوئے ''تحریکِ تحفظِ مزارِ غالب'' کے آغاز وانجام کی کہانی پیش کررہا ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا اس تحریک کا آغاز یورپین ڈاکٹر جے مورٹن ایم ڈی کے ایک انگریزی مراسلے بہ عنوان A Neglected Grave (ایک نظر انداز کی ہوئی قبر) سے ہوا جو روزنامہ پانیر الٰہ آباد کی 7 جون 1911 کی اشاعت میں شامل ہوا۔ مزارِ غالب کے سلسلے میں یہ خط دستاویزی حیثیت رکھتا ہے، خط کا مکمل متن حسب ذیل ہے:[۳۲]

A NEGLECTED GRAVE

TO THE EDITOR

SIR - Allow me to draw the attention of all lovers of Ghalib's poetry to his neglected grave at Nizamudin, Delhi. Being situated outside the general enclosure its existence is not known even to interested visitors. I happened at my last visit to be accompanied by 'an unusually intelligent Khadim who took me to see it. The grave it self is situated in a broken enclosure, a wall of which is crumbling and the debris has almost covered the reclining slab of sand stone. The head stone is of marble with an inscribed verse, which also is in danger of being buried. During the next rains or two it will entirely disappear, and with it one important landmark of Urdu literature. May I, therefore, appeal to all lovers of poetry and admirers of Ghalib to prevent this catastrophe? Poets, historians and authors who are distinguished, are great national assets their last resting places should be lovingly preserved and cherished. Their graves are priceless relics, the neglect of which future generations will not lightly forgive. On this account, and to show our own appreciation, I suggest that a rupee subscription be started and a suitable and enduring monument erected over the poet's grave. As Ghalib was a Mahomedan, perhaps the editor of the Muslim Review may be pleased to act as Secretary to the Fund. In my opinion about three or four thousand rupees is all the money that is required. School boys can easily raise subcriptions amongst themselves, and forward them to the Hon. Secretary. The gentleman who elects to serve as such will perfom an honourable office, and earn the gratitude of all admirers of good literature.

Mussorie, 27th May J. MORTON, M.D.

(The PIONEER Daily Allahabad. June 7, 1911)

ڈاکٹر جے مورٹن کون تھے؟ مسوری میں وہ معالج کے طور پر کام کر رہے تھے یا کسی اسکول و کالج میں معلّم تھے؟ اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ معین الدین شاہجہانپوری کے مراسلے سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرکاری ملازم تھے، اردو کے استاد تھے اور انشائے غالب کے پرستار۔ یہاں استاد واقف کار کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور معلّم کے بھی۔ (ہفتہ وار ذوالقرنین بدایوں، 28 جون 1911) شاہجہانپوری کے خط کا مکمل متن سطور آئندہ میں نقل کیا جائے گا۔

ڈاکٹر جے مورٹن کے خط کی تائید میں حامد علی خاں لکھنوی بار ایٹ لا (1861-1918) کا ایک مراسلہ مکتوبہ 7 جون 1911 روزنامہ پائنیر کی غالباً 12 جون کی اشاعت میں شائع ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی اشاعت کی صحیح تاریخ اور اس کا اصل انگریزی متن حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ ڈاکٹر جے مورٹن اور حامد علی خاں کے مراسلوں کا اردو ترجمہ ماہنامہ معیار لکھنؤ کی مئی 1911 کی اشاعت میں شامل ہوا۔ سطور ذیل میں ان دونوں مراسلوں کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے:

پائنیر دوشنبہ، 7 جون 1911

"ایک بھولی ہوئی قبر"

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب من۔ برائے مہربانی مجھے اس امر کی اجازت دیجیے کہ غالب کی شاعری کے شیدائیوں کی توجہ میں ان کی بھولی ہوئی قبر کی طرف مبذول کروں۔ یہ قبر نظام الدین اولیا دہلی میں واقع ہے، چونکہ احاطے کے باہر ہے اس لیے اس کے وجود سے ان وارد ین کو بھی اطلاع نہیں ہے جو دلچسپی لیتے ہیں۔ پچھلی مرتبہ جو میں گیا تو میرے ساتھ ایک غیر معمولی ہوشیار اور سمجھدار خادم تھا جو اس قبر کو دکھانے مجھے وہاں لے گیا۔ قبر ایک ٹوٹے پھوٹے احاطے میں واقع ہے

جس کی دیوار منہدم ہورہی ہے اور پتھر کا فرش گرے ہوئے ریزوں میں پوشیدہ ہوگیا ہے۔ سرہانے کا لوحِ مزار سنگ مرمر کا ہے اور اس پر ایک نظم کندہ ہے۔ مگر اس کے بھی زیرِ زمین ہوجانے کا خوف ہے۔ ایک ہی دوسال کی بارش میں اندیشہ ہے کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ جائے اور اس کے ساتھ ہی اردو کی ایک ''پُر عظمت نشانی'' غائب ہوجائے گی۔ اس لیے کیا میں شاعری کے دلدادہ اور غالب کا دم بھرنے والے حضرات سے اس کی التجا کرسکتا ہوں کہ وہ اس تباہی کو روکیں؟ شاعر، مؤرخ اور مصنف جو مشہور ہوجاتے ہیں قوم کے لیے بہت کچھ مایۂ ناز ہوتے ہیں۔ ان کی آرام گاہوں کو ایک محبت آمیز طریقے سے محفوظ اور مامون رکھنا چاہیے۔ ان کی قبریں بے بہا باقیات سے ہیں جن سے غفلت کرنے کو آئندہ نسل آسانی سے معاف نہیں کرے گی اس لیے اور خود اپنی قدر دانی ظاہر کرنے کو میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ایک روپے کے چندے کی ابتدا کی جائے اور شایانِ شان دیرپا یادگار، غالب کی قبر پر قائم کی جائے۔ چونکہ غالب مسلمان تھے اس لیے غالباً ''مسلم[۳۳] ریویو'' (لکھنؤ) کے ایڈیٹر اس فنڈ کے سکریٹری کا کام خوشی سے انجام دیں۔ میرے خیال میں کلہم تین چار ہزار روپے کی اس فنڈ کے لیے ضرورت ہوگی۔ اسکول کے طالب علم نہایت ہی آسانی سے آپس میں چندہ کرسکتے ہیں اور آنریری سکریٹری[۳۴] صاحب کی خدمت میں پیش کرسکتے ہیں۔ جو صاحب کہ اس خدمت کو اپنے ہاتھوں میں لیں گے وہ ایک باعزت خدمت کو انجام دیں گے اور عمدہ ادب کے شائقین کی منت پذیری حاصل کریں گے۔

جے مورٹن، ایم ڈی

"قبر غالب"

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب

جناب من۔ ڈاکٹر جے مورٹن نے آپ کے اخبار کے ذریعے سے "قبر غالب" کی تباہ حالت کی طرف توجہ دلا کے غالب کی شاعری کے عاشقوں کو بہت کچھ ممنون کیا ہے۔

بہ لحاظ غالب کے فارسی اور اردو شاعر ہونے کے، نثر نگار اور بذلہ سنج ہونے کے، میں ان کا دلدادہ ہوں۔ میری محبت وشیدائیت کا اندازہ قدرے اس امر سے ہوسکتا ہے کہ میں ان کے ملازم "کلو"[5] سے جس کا ذکر وہ اپنے خطوط میں کرتے ہیں، ملنے کے لیے گیا۔ میں نے غالب کو کبھی نہیں دیکھا۔ جب ان کا انتقال ہوا میں بہت کم عمر تھا۔ چند سال ہوئے کہ میں نے ان کی قبر کی زیارت کی تھی۔ دو پتھروں پر تاریخ کندہ ہے[6] ایک خود غالب کی تصنیف ہے[7] دوسری ان کے مشہور شاگرد مجروح کی، جس کا چوتھا مصرعہ یہ ہے:

ہاتف نے کہا: "گنج معانی ہے تہہ خاک"

مجھے ڈاکٹر مورٹن کے خط سے یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ اگلی یا دوسری برسات تک غالب کی قبر بالکل نیست و نابود ہوجائے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ قبل اس کے کہ آئندہ برسات کا موسم ختم ہو دلدادگان غالب ان کی قبر پر ایک شایانِ شان اور قیام پذیر یادگار قائم کردیں گے۔ اس کے کہنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مجھ سے جو خدمت ہوسکے گی میں بہت خوش ہوں گا۔

(حامد علی خاں)

لکھنؤ۔ 7 جون 1911 (ماہنامہ معیار لکھنؤ، مئی 1911 بحوالہ غالب نام آورم، ص: 311-308)

ڈاکٹر مورٹن کے مراسلے نے ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ افراد کو جیسے سوتے سے جگادیا۔ سید معین الدین شاہجہانپوری (ف: 1937) کا بھی ایک طویل مراسلہ 28 جون 1911 کی ہفتہ وار ذوالقرنین (بدایوں) کی اشاعت میں شامل ہوا۔ اس مکتوب کو مراسلت کے تحت ''تربتِ غالبِ مظلوم ومرحوم'' عنوان سے اخبار میں درج کیا گیا جس میں جے مورٹن کا خط کا آزاد ترجمہ جسے مکتوب نگار نے خلاصہ کہا ہے، نقل کر کے مزار کی مرمت کی پُر زور وکالت کی گئی ہے۔ خط کا متن اگرچہ طویل ہے لیکن اس کو محفوظ کردینے کے خیال سے مکمل پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

تربتِ غالبِ مظلوم ومرحوم

(مراسلت)

7 جون 1911 کے پانیر کا صفحہ 7 دیکھیے آپ کو ایک سرخی ملے گی ''نگلکٹیڈ گریو'' اس سرخی سے چند سطور ڈاکٹر جے مورٹن صاحب نے کوہ منصوری سے پانیر کو لکھی ہیں۔ سرخی کا مفہوم یہ ہے۔ ''وہ قبر جسے اب سب نے فراموش کردیا''۔ خلاصۂ مضمون یہ ہے:

''میں دلّی گیا، شاہ نظام الدین اولیا کے احاطے سے باہر مجھے ایک خادم ایک قبر کے قریب لے گیا۔ یہ قبر غالب کی ہے۔ بالکل بوسیدہ اور شکستہ ہے۔ سرہانے سنگِ مرمر پر کتبہ ہے لیکن وہ بھی دو ایک برساتوں کے بعد قبر کے ساتھ تہہ خاک ہوجانے والا ہے اور اسی کے ساتھ زبان اردو کا ایک سرفراز علم سرنگوں ہوکر پھر خاک میں ایسا مل جائے گا کہ اس علم کا نشان تک نظر نہ آئے گا۔ تو کیا مجھے اس بات کا حق ہے کہ کلام غالب کے دلدادوں سے استغاثہ کروں؟ مؤرخین، مصنفین اور شعرا جس قوم میں ہوں یہ لوگ تو اس قوم کا قیمتی مال ہوتے ہیں۔ یہ مال تو ضائع نہیں کیا کرتے یہ بڑا عزیز مال ہوا کرتا ہے۔ ان کی قبریں

بھی وہ خزینے ہیں جہاں یہ خزانے محفوظ رکھے ہیں۔ ان تبرکات کی تو کچھ قیمت ہی نہیں۔ یہ تو انمول ہوتے ہیں۔ ان تربتوں کو برباد ہونے دینا گناہ ہے اور گناہ کے ساتھ ایسی تقصیر بھی ہے کہ آنے والی نسلیں اس تقصیر کو معاف نہ کریں گی۔ چنانچہ میری خواہش ہے کہ یہ قبر برباد نہ ہوتی اور میری تمنا اور آرزو ہے کہ قبر باقی رہے۔ اس لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ زیادہ نہیں ایک ایک روپے کا چندہ کرلو اور دو تین ہزار روپے میں ایک مضبوط چھوٹی سی عمارت بنا کر غالب کی خاک کو بربادی سے بچالو۔ غالب مسلمان تھا۔ مسلم ریویو کا ایڈیٹر اس فنڈ کا سکریٹری ہوجائے۔ تھوڑا سا کام ہے۔ ذرا سی توجہ مطلوب ہے۔" فقط

جے مورٹن از کوہ منصوری

27 مئی 1911

حضرات اوپر کی سطور پڑھیے۔ یہ ایک یورپین ڈاکٹر لکھ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب مرحوم کی قبر نے جب اپنوں میں بوئے وفا اور خوئے قدر دانی نہ پائی تو اسی سرکار برطانیہ کے ایک فرد سے اپیل کیا ہے جس سرکار کی حیات میں غالب وظیفہ خوار تھے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قوم میں علمی احساس اپنے مناسب حد کے ساتھ باقی ہے۔ ایک یورپین ڈاکٹر کے خیالات دیکھ لو۔ گریبان میں منہ ڈالنے کو کافی ہے۔ یہ ڈاکٹر اردو زبان کا استاد ہی نہیں بلکہ انشائے اردو کے موجد کا ایسا فریفتہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دردانگیز الفاظ سے مخاطبوں کے دلوں کو برمائے دیتا ہے۔ اس کے اپیل کے الفاظ تھوڑے ہیں لیکن جامع ہیں، وہ نشتر و پیکان ہیں جو جی کے پار ہوجاتے ہیں۔ اللہ رے بلاغت۔ کیوں نہ ہوں۔ ڈاکٹر نے جب قلم اٹھایا ہے تو دل نکال کر رکھ

دیا ہے۔ وہ کلام غالب کے شیفتگان کو مخاطب کرتا ہے اُنھیں پر غالب کا حق سمجھتا ہے لیکن پھر قوم کو مخاطب کرتا ہے اور غالب کو قوم کا قیمتی مال بتاتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ آنے والی نسلیں یہ تقصیر معاف نہ کریں گی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان نسلوں کو غالب کی تربت ترکہ میں پہنچتی ہے۔ اس ترکے میں اسراف کرنے کا موجودہ لوگوں کو کیا حق ہے یہ تو ایک امانت ہے جو نسل سے نسل کو پہنچنی چاہیے۔ آنے والے جب تربت غالب کی جستجو کریں گے اور اس کا نشان نہ پائیں گے تو کیا کہیں گے اور اس خیانت کو کبھی معاف نہ کریں گے۔[49]

اب نتیجہ ملاحظہ ہو۔ قوم میں ہزاروں لکھے پڑھے عالم، فاضل، شاعر، نثار اور کیا سب ہی موجود ہیں لیکن تربتِ غالب برباد ہوئی جاتی ہے۔ کسی کو احساس تک نہیں۔ تو کیا لکھے پڑھے عالم، فاضل، شاعر، نثار اور کیا اور کیا، اس نازک احساس اور ہنر کی قدر دانی کے زیور سے ویسے آراستہ ہیں جیسے ڈاکٹر جے مورٹن صاحب ہیں۔ بس مسلمانوں میں یہی پاکیزہ خیالات تو مفقود ہیں اور مسلم یونیورسٹی ایسے ہی لوگ تو پیدا کرنے والی ہوگی۔ لیکن ابھی ہائے افسوس یہی نہیں ہے۔ معلوم (کذا) مسلم یونیورسٹی کیا کیا کرتی اگر وہ قائم کرلی جاتی۔

کیوں بھائیو؟ شاعرو، ذوقی اور داغی خاندانوں کے علاوہ غالبی یا اسدی خاندان کے نام لیوا بھی کچھ باقی ہو؟ اگر باقی ہو تو اٹھو اور اپنے مرشد کی خاک کی خبر لو۔ (سید معین الدین مترجم نپولین اعظم۔ از کدورہ)

سید معین الدین شاہجہانپوری کے اس مکتوب کی اشاعت کے بعد ہفتہ وار ذوالقرنین (بدایوں) کے مدیر نظامی بدایونی نے مزارِ غالب کی مرمت کے بارے میں کئی بار لکھا (ذوالقرنین، 7 اگست 1916) جس کی سردست میں نشان دہی سے

قاصر ہوں۔

اُدھر مولانا محمد علی جوہرؔ (ف: 1931) نے ڈاکٹر مورٹن کے مراسلے سے متاثر ہو کر اپنے اخبار ہفتہ وار کامریڈ کلکتہ (اجرائے کلکتہ، 14 جنوری 1911) میں ''غالب کا مزار'' عنوان سے ایک پُر جوش مضمون لکھا۔ (مطبوعہ 17 جون 1911) جس کا ترجمہ سعادت علی صدیقی نے اپنے مضمون میں پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

''غالب کا مزار کس کسمپرسی کی حالت میں ہے اس کے بارے میں جناب ڈاکٹر مارٹن صاحب نے روزانہ پانیر میں ایک مراسلہ شائع کرا کر اُردو و فارسی ادب کے شیدائیوں پر احسان کیا ہے۔

ہمیں پہلی بار اس بات کا علم ہوا کہ مرزا نوشہ کا مزار حضرت نظام الدین دہلی میں حضرت سلطان جی کے احاطے کے باہر واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک دیوار ہے جو اتنی خستہ ہے کہ اس کے ملبے نے لال پتھر والے تختہ کو ڈھک لیا ہے۔ لوح سنگ مرمر کی ہے جس پر ایک شعر کندہ ہے، خطرہ ہے کہ کہیں وہ بھی اسی ملبے میں نہ دب جائے۔ بارش ہو جانے کے بعد اس کا ملنا محال ہے۔ ڈاکٹر مارٹن نے صحیح لکھا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو اس خطہ سے اردو ادب کی ایک اور نمایاں یادگار معدوم ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تجویز نہایت معقول ہے کہ مزار کے اوپر ایک مناسب میموریل کی تعمیر کے لیے چندہ فراہم کیا جائے۔ اگر دہلی اور اس کے اطراف میں اس کام کا بیڑا اُٹھانے پر کوئی تیار نہیں تو ہم اس فریضہ کو اپنے سر لیتے ہیں۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ادبی شعبے کو، جس کے سکریٹری اس وقت جناب عزیزؔ مرزا صاحب ہیں، اس امر کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ جناب حامد علی خاں صاحب روزنامہ پانیر کے ذریعے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ 'میری خدمات جس

لائق ہوں حاضر ہیں۔' وہ لکھتے ہیں کہ 'کئی سال بیتے میں نے اس مزار کی زیارت کی تھی۔' انہوں نے حضرت مجروح کی لکھی ہوئی تاریخ وفات کا مترجم حوالہ بھی دیا ہے... ہمارا خیال ہے کہ جب انہوں نے قبر کی زیارت کی تھی تب وہ اتنی خستہ حالت میں نہ ہوگی جتنی آج ہے ورنہ اس وقت ان کی پیش کش کوئی معنی نہ رکھتی۔ بے چارہ غالب! ایسا جینئس جو کسی ملک اور کسی زمانے کے بڑے سے بڑے شاعر کے مقابلے میں جگہ پاسکتا ہے تاحیات مصائب و آلام میں گرفتار رہا اور اگرچہ مرنے کے بعد اس کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوتی نظر آرہی ہے کہ زمانہ میری قدر میرے مرنے کے بعد کرے گا۔ تاہم غالب کے شیدائیوں نے اپنی محبت اور قدر دانی کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ غالب کی کوئی عمدہ سوانح حیات بھی مرتب نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ مولانا حالی کی 'یادگار' اپنی جگہ خوب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ تو وہ غالب کے شایان شان ہے اور نہ خود حالی کے۔ غالب کی نظم ونثر کا بھی کوئی اچھا ایڈیشن موجود نہیں۔ رہے غالب کے نئے اور سستے ایڈیشن تو انہیں ہم مجموعہ اغلاط کا ایک کرشمہ کہہ سکتے ہیں اور بس۔ ہمارے ملک میں نہ غالب سوسائٹی کا وجود ہے نہ کہیں کوئی غالب لیکچر شپ ہے اور جب کہ ہمیں اس عظیم شاعر کے مزار کا پتا چل گیا ہے ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے سوائے اس کے کہ مرزا کا یہ شعر دہرادیں — افسوس!

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

کیا دہلی اور اس کے گرد ونواح میں رہنے والے ہمارے قارئین کرام میں کوئی ایسا نہ نکلے گا جو مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کے اس

خستہ و شکستہ مزار کی صحیح حالت جا کر دیکھے اور اس کی فوری اور اشد ضروری مرمت کا تخمینہ لگا کر ہمیں مطلع کرے؟ جب تک ایک مناسب اور موزوں میموریل تعمیر نہ ہو، کم از کم اتنا تو ہو جانا ضروری ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی گذارش ہے ہمیں یقین ہے کہ ان معلومات کے لیے ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔" (اردوئے معلّٰی غالب نمبر سوم، ص: 352 تا 354)

مولانا محمد علی نے مذکورہ صدر مضمون میں سات امور پر قوم کو متوجہ کیا تھا:

۱۔ فوری طور پر مزار کی ضروری مرمت کی جائے۔
۲۔ مزار غالب کے اوپر ایک مناسب میموریل تعمیر کیا جائے۔
۳۔ غالب کی مستند سوانح حیات مرتب کی جائے۔
۴۔ غالب کی نظم و نثر کا ایک اچھا ایڈیشن شائع ہو جو ہر طرح کی اغلاط سے پاک ہو۔
۵۔ غالب سوسائٹی قائم کی جائے۔
۶۔ غالب لیکچرشپ کا اہتمام کیا جائے۔
۷۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ادبی شعبے کو (مراد انجمن ترقی اردو ہند) کو اس امر کی طرف متوجہ کیا جائے۔

8 جولائی 1911 کی اشاعت میں مولانا نے اسی عنوان سے ایک مضمون اور لکھا جس میں قوم سے چندے کی اپیل کی اور کامریڈ کی جانب سے "مزار غالب فنڈ" کھولنے کا اعلان بھی کر دیا۔ مضمون کا متعلقہ حصہ حسب ذیل ہے:

"بہتر ہے کہ اب ایک مناسب میموریل کے لیے باقاعدہ فنڈ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ہم کامریڈ اور اس کے کارکنان کی طرف سے عطیات کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم نے اس رقم کی مقدار جان بوجھ کر کم رکھی ہے تاکہ اس ہستی کے لیے یہ فریضہ کسی پر بار نہ بنے جس کے

بارے میں ان کا ایک بہترین شاگرد اپنے مرثیہ میں کہتا ہے:

دوشِ یاراں پہ کیوں کے بار ہوا

دلِ اغیار پر جو بار نہ تھا

علاوہ ازیں ہماری تمنا ہے کہ مرزا نوشہ کی یادگار قائم کرنے میں زیادہ سے زیادہ لوگ ہاتھ بٹائیں۔ کام پر صرف ہونے والی رقم کا اندازہ ہونے کے بعد کام کی تفصیلات بہ آسانی طے ہوجائیں گی۔ وقتی طور پر تو ہمارے منیجر نے خازن کے فرائض انجام دینا منظور کرلیا ہے — لیکن ہم مولانا حالی سے گذارش کر رہے ہیں کہ وہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی نمائندگی کرنے والی ایک کمیٹی نامزد کردیں جس کو مزار کی تعمیر کے منصوبے اور تخمینہ کا کام سپرد کیا جائے اور وہی کمیٹی فنڈ کا حساب کتاب بھی رکھے۔

چندہ فی الحال منیجر کامریڈ، 109 رپن اسٹریٹ، کلکتہ کو بھیجا جاسکتا ہے۔

مزار غالب فنڈ

اخبار کامریڈ	25 روپے
کارکنانِ کامریڈ	25 روپے
میزان	50 روپے

(اردوئے معلی غالب نمبر، ص: 355-356)

مولانا حالی سے کی گئی گذارش کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ البتہ مولانا کی اس اپیل کے بعد "مزار غالب فنڈ" میں چندہ موصول ہونا شروع ہوگیا لیکن رفتار بہت سست رہی۔ مولانا کامریڈ کی ہفتہ وار اشاعتوں میں لگاتار چندہ دینے والوں کے نام اور رقوم کا اعلان کرتے رہے۔ 8 جولائی 1911 سے 25 نومبر 1911 تک پانچ ماہ کی لگاتار

گذارشات کے نتیجے میں صرف -/872 روپے ہی جمع ہو سکے۔ چندہ دینے والوں میں بعض ممتاز نام حسب ذیل ہیں:

ایم کے آزاد بیرسٹر، بمبئی	-/105 روپے
محمد علی آصف	-/50 روپے
ڈاکٹر تیج بہادر سپرو، الٰہ آباد	-/50 روپے
مرزا سعید الدین احمد دہلوی	-/35 روپے
حامد علی خاں بیرسٹر، لکھنؤ	-/30 روپے
چودھری صفی الزماں تعلق دار لکھنؤ	-/30 روپے
مولانا محمد علی جوہر، کلکتہ	-/25 روپے
نواب احمد سعید خاں طالب، دلّی	-/25 روپے
مولانا ابوالکلام آزاد	-/10 روپے
خواجہ الطاف حسین حالی	-/10 روپے
مولانا شوکت علی برادر مولانا محمد علی	-/10 روپے
مرزا محمد عسکری، لکھنؤ	-/10 روپے
ایم عابد حسین خاں	-/10 روپے
محمد یحییٰ تنہا، میرٹھ	-/01 روپیہ
قاری سرفراز حسین (ناول نگار)	-/01 روپیہ

اگرچہ چندے میں جو رقم موصول ہوئی تھی وہ توقع سے بہت کم تھی لیکن اُس زمانے میں جب مسلم یونیورسٹی اور ترکی ریلیف فنڈ کے لیے چندے کی اسکیمیں چل رہی تھیں، قوم نے غالب کے مزار کی تعمیر نو کے لیے بھی چندہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اس رقم سے فوری طور پر مزار غالب کی مرمت تو کرائی ہی جا سکتی تھی لیکن لوہارو خاندان کے

بعض افراد کو یہ ناگوار خاطر ہوا کہ مزار غالب اور ان کے خاندانی قبرستان کی مرمت و درستگی چندے کی رقم سے ہو۔ انہوں نے اعلان کیا کہ یہ خدمت وہ خود انجام دیں گے لیکن وہ یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس سلسلے کا آخری مضمون بڑی دل سوزی کے ساتھ لکھا ہے جسے مکمل نقل کیا جا رہا ہے:

"جیسا کہ مزار غالب فنڈ قائم کرتے وقت ہم نے گذارش کی تھی کہ اس کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک قبر کی مرمت کرا دی جائے۔ ہماری خواہش یہ بھی ہے کہ ایک معقول اور عظیم الشان یادگار اس عظیم شاعر کے شایانِ شان تعمیر ہو۔ فنڈ کے لیے ہماری اپیل رائیگاں نہیں گئی ہے اگرچہ مسلم یونیورسٹی کے لیے چندہ کیے جانے کی وجہ سے عوام پر چندے کا بار پڑا ہے۔ دوسری طرف حال ہی میں ترکی ریلیف فنڈ کے لیے بھی اپیلیں کی گئی ہیں تاہم ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کو غالب سے جو عقیدت ہے اس کے پیش نظر ہم ناامید نہیں ہیں بلکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ ہماری کوششیں بارآور ہوں گی اور غالب میموریل کے لیے بھی فنڈ جمع ہوگا۔ ایک مراسلہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ غالب مرحوم کے بعض اعزہ نے فیصلہ کیا ہے کہ قبر کی مرمت وہ خود کرائیں گے نیز اس کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مرحوم کے اعزہ یہ گوارا نہ کریں گے کہ ان کے جلیل القدر بزرگ کے مزار کی تعمیر عوامی چندے سے ہو۔ ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ غالب مرحوم کے اعزہ اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں۔ موجودہ تحریک شاعر کے کثیر التعداد معتقدین کی اس تمنا پر جاری کی گئی ہے کہ ہم اپنے محبوب شاعر کی قبر پر ایک مناسب مقبرہ تعمیر کر کے اپنی دلی محبت اور عقیدت کا اظہار کر سکیں۔

ہمیں یقین ہے کہ مرحوم کے اعزہ خفا ہونے کے بجائے ہمارے

جذبے کی قدر کریں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود غالب کے خاندان کے ایک صاحب نے نہ صرف ہمارے منصوبے کی تائید کی ہے بلکہ میموریل کے فنڈ میں چندہ بھی دیا ہے۔ واضح رہے کہ موصوف خاندانی فرائض کی رو سے قبر کی دیکھ بھال کے لئے، جہاں تک ہمیں علم ہے تنہا ذمہ دار ہیں[۲۲]۔ اگر ہمارے نامہ نگار کی اطلاع صحیح ہے تو واقعی یہ افسوس کی بات ہے کہ آج وہ اعزہ جنھوں نے اتنی مدت تک اپنے بزرگ کی قبر کی کوئی خبر نہ لی۔ اب عوام کے جذبات کی ناقدری کر رہے ہیں جو صرف اس بات کے خواہش مند ہیں کہ مزار کی مرمت کے اخراجات میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔ ان کا رویہ دیکھ کر غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے:

زاہد نہ خود پیو، نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی[۲۳]

بہر کیف ہمیں مسرت ہے کہ ملک کے اکابرین علم و دانش نے ہمارے منصوبے کی تائید کی ہے۔ ہمارے ایک محترم کرم فرما مراسلہ نگار جو غالب کے دیرینہ عاشق ہیں اور خود بھی عالی مقام شاعر ہیں، مزارِ غالب فنڈ میں سو روپیہ چندہ دینے کے متمنی ہیں اور اس سلسلے میں لکھتے ہیں: 'آپ نے ایک بہت ہی مستحسن مقصد کے لیے فنڈ کھولا ہے لیکن ابھی تک معمولی رقم جمع کر سکے ہیں۔ اس سے اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ ہمارے دلوں میں اپنے عظیم المرتبت بزرگوں کے لیے احترام کا جذبہ کتنا کم ہے۔ تاوقتیکہ وہ ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کی آرام گاہیں متعلقہ افراد کے لیے کاروبار کا ذریعہ بن جائیں کسی کو ان کا خیال تک نہیں آتا۔ پھر غالب جیسا شخص ہم سے کیا پائے گا۔ ہمارے بزرگوں نے ہم پر کتنے ہی احسان کیوں نہ کیے ہوں اور وہ کتنے ہی

مشہور کیوں نہ ہوں، کسی کو خیال نہیں آتا کہ آخر ان کی خاک کہاں دفن ہوگی۔ ہوسکتا ہے ہمارے بعض شرعی مولویوں نے اس مرحوم ہستی پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کردیا ہو جیسا کہ قوم وملت کی اور بہت سی ہستیوں پر صادر کیا گیا اور اس طرح گویا ان حضرات کی قبروں کا احترام ان پر واجب نہ رہا اور وہ اپنے فرائض سے بری الذمہ ہوگئے! بہرحال میں ایک غریب آدمی ہوں اور پچھلے دنوں خرچ سے بھی زیر بار رہا۔ پھر بھی اس فنڈ میں سو روپے بھیج رہا ہوں۔ آپ کو اختیار ہے کہ یہ رقم اپنی فہرست میں میرے نام سے جمع کرلیں۔"

(کامریڈ کلکتہ، 2 دسمبر 1911، بحوالہ اردوئے معلی غالب نمبر، ص: 365,66,67)

نادم سیتاپوری نے لکھا ہے:

1927 میں جب مولانا محمد علی مرحوم اور خواجہ حسن نظامی مرحوم کے درمیان ان بن ہوئی تو خواجہ صاحب کی پارٹی نے مولانا محمد علی مرحوم کے خلاف قومی محاسبے کی مہم چلائی۔ پیشوا کے ایڈیٹر سید عزیز حسن بقائی مرحوم اس مہم کے میر کارواں تھے۔ انہوں نے ایک سوالنامہ شائع کیا تھا جس کے آٹھویں سوال سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں دو ہزار روپیہ جمع ہوگیا تھا۔ بقائی مرحوم نے مولانا محمد علی مرحوم سے پوچھا تھا:

غالب کے مزار کی مرمت کے لیے دو ہزار روپے میں سے نہ تو ایک کوڑی غالب کی قبر پر خرچ ہوئی اور نہ آپ نے کوئی حساب شائع کیا۔"

(پیشوا دہلی، ص: 8، 24 جنوری 1927 ۔ غالب نام آورم، ص: 305)

لیکن غلام رسول مہر نے لکھا ہے:

"رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم جب اپنے مشہور اخبار کامریڈ کو کلکتہ سے دہلی لائے تھے تو انہوں نے مزار غالب کے لیے چندے کی

تحریک فرمائی تھی۔ لیکن مولانائے مرحوم اپنی وسیع مصروفیتوں اور ابتلاؤں کے باعث سنگ مرمر کی ایک لوح نصب کرانے کے سوا کچھ نہ کرسکے۔" (غالب،ص:339)

ڈاکٹر مورٹن کے مراسلے میں لوحِ مزار کے زیرِ زمیں ہوجانے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ حامد علی خاں کے مراسلے میں لوحِ مزار میں دو پتھروں کا مذکور ہوا تھا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوحِ مزار کے کسی ایک طرف جھک جانے یا اینٹوں کی پکڑ سے پتھر کے علیحدہ ہوجانے سے پتھر میں درار پڑگئی ہو اور دور سے دیکھنے پر وہ دو پتھر معلوم ہوتے ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ لوحِ مزار کی مخدوش حالت کو دیکھتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے فوری طور پر اسے ہی درست کرادینا کافی سمجھا ہو اور جمع شدہ رقم کو اسی پر خرچ کردیا ہو۔ اُس زمانے میں ڈاکٹر مورٹن کے مراسلے نے ہندوستان کی ادبی صحافت میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی۔ اخبارات ورسائل نے اس مراسلے کے زیرِ اثر مزارِ غالب کی تعمیر ومرمت کے لیے اپنی تجاویز اور عملی اقدامات کرنے کا اعلان شروع کردیا تھا۔ چنانچہ ماہنامہ ادیب الٰہ آباد کے مدیر پیارے لال شاکر میرٹھی (ف:1956) نے بھی "مزار غالب" عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں فوری طور پر عملی اقدام کرنے کا اعلان بھی کردیا۔ مضمون طویل ہے حسب ذیل اقتباس قابل مطالعہ ہے۔ انہوں نے لکھا:

"وہ دن ابھی دور ہے کہ ہمارے ہندوستان میں کوئی غالب کلب یا غالب ہال قائم کیا جائے، مگر کیا ہم اس درجہ پست ہمت اور ایسی نمایاں علمی غفلت میں مبتلا رہیں گے کہ غالب ایسے زندۂ جاوید شاعر کی مٹی مٹائی قبر کو بربادی سے نہ بچائیں اور اس کے رہے سہے نشان کو ابدالآباد تک قائم رکھنے میں دریغ کریں۔ افسوس:

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

'ادیب' کے اجرا کا سب سے بڑا مقصد ملک میں لٹریری مذاق
پیدا کرنا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہماری کوشش سے غالب کی قبر
بربادی سے بچ جائے تو یہ ہماری سب سے اعلیٰ خدمت ہوگی، لہٰذا ہم
اس مہینے سے غالب میموریل فنڈ (چندۂ یادگارِ غالب) کھولتے ہیں اور
شیدائیانِ کلامِ غالب سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اس مفید
تحریک میں حصہ لیں اور اپنے احباب کو بھی اس طرف رجوع کریں۔
جو کچھ بھی ارسال ہوگا، شکریے کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ ہاں یہ
بتا دینا بھی ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ 'غالب میموریل فنڈ' میں جو روپیہ
فراہم ہوگا اس کا بے جا استعمال نہ کیا جائے گا۔ کامریڈ کے قابل ایڈیٹر
مسٹر محمد علی (جوہر) بی اے تخمینہ اخراجات تیار کر رہے ہیں اور انہوں
نے اپنے اخبار میں فنڈ کھولا ہے۔ کافی روپیہ فراہم ہونے پر ایک مستقل
یادگاری روضہ تعمیر کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ روپے کی فراہمی تک جناب
مولوی حسن نظامی صاحب بلادِ اسلامیہ کی سیاحت سے واپس آجائیں اور
روضہ غالب کی تعمیر انہی کی نگرانی میں ہو۔" (ایڈیٹر ادیب، اگست 1911)

شاکر میرٹھی کے اس مضمون کا اثر یہ ہوا کہ ستمبر 1911 میں 14 افراد سے 52 روپے، اکتوبر میں 10، افراد سے 19 روپے اور دسمبر میں 4 افراد سے 10 روپے گویا 4 ماہ میں کل 81 روپے کا چندہ موصول ہوا۔ ادیب کے ستمبر (ص: 109) اکتوبر (ص: 206) دسمبر (ص: 294) کے شماروں میں چندہ دینے والوں کے نام شائع کیے گئے ہیں اور قارئین ادیب کی اس سلسلے میں عدم توجہی اور بے رغبتی کا شکوہ بھی کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"چندہ یادگارِ غالب' کی رفتار بہت سست ہے۔ افسوس ہے کہ
معاونین ادیب نے ہنوز اس طرف کامل توجہ نہیں فرمائی۔ سخت ضرورت
ہے کہ اس اعلیٰ تحریک میں نہ صرف خود عملی حصہ لیا جائے بلکہ اپنے

احباب کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔" (ادیب دسمبر 1911، ص:294)

مذکورہ 28 افراد میں چندے کی بڑی رقم دینے والوں کے نام حسب ذیل ہیں:

انڈین پریس الہ آباد	-/20 روپے
مولانا مرزا ابوالفضل بی اے	-/10 روپے
مدیر ادیب شاکر میرٹھی	-/10 روپے

دسمبر 1912 میں "ادیب" کی ادارت سے مستعفی ہونے کے بعد شاکر میرٹھی نے خود اپنے بیان کے بموجب مذکورہ رقم انڈین پریس الہ آباد کی تحویل میں دے دی تھی (العصر، شمارہ 3) بعد میں اس رقم کا کیا ہوا، معلوم نہیں۔

خواجہ حسن نظامی نے اپنے مضمون بہ عنوان "غالب سوسائٹی اور غالب ڈے کا تعارف" میں لکھا ہے:

"غالب کی قبر اور اس قبرستان کی حالت زائرین اور سیاحوں کو ویرانی اور شکستگی کے سبب بہت عبرت ناک معلوم ہوتی تھی۔ 1912 (صحیح 1911) میں مولانا محمد علی مرحوم نے اس کی مرمت کے لیے چندہ جمع کیا مگر سیاسی انقلابات اور نظر بندی وغیرہ مشکلات کے باعث وہ مرمت کا ارادہ پورا نہ کر سکے۔ آخر نواب نصر اللہ خاں صاحب صدر محاسب سرکار عالی حیدر آباد دکن نے کچھ مرمت کرائی کیونکہ اس قبرستان میں ان کے بزرگوں کے مزارات بھی ہیں اور غالب سے ان کا رشتہ بھی ہے۔ اس مرمت کے باوجود قبرستان اور مرقد غالب کا منظر درست نہ ہوا اور یورپین سیاح طعنے دینے لگے۔" (منادی دہلی، 21/28 فروری 1936)

نواب نصر اللہ خاں (ف:1968) کی غالب سے رشتہ کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ بیٹے ہیں مرزا محمد سعید خاں کے، جو بیٹے تھے علی بخش خاں کے اور علی بخش خاں غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف کے بیٹے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ

نواب نصر اللہ خاں کے دادا علی بخش خاں کو غالب کی حقیقی بھانجی امانی بیگم منسوب تھیں اور نصر اللہ خاں کے والد کے بھائی غلام فخر الدین خاں کی شادی غالب کی بھتیجی مرزا یوسف کی لڑکی عزیز النسا سے ہوئی تھی۔ (خاندان لوہارو کے شعرا، ص: 105) معروف نے دو دیوان یادگار چھوڑے۔ ایک دیوان نواب نصر اللہ خاں کی کوشش سے 1935 میں نظامی پریس بدایوں سے باسم ''دیوان معروف'' شائع ہوا۔

مذکورہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ غالب کے اعزا پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے مزار غالب کے تحفظ کی طرف سے بے پروائی برتی۔

دوسری جدوجہد اور پہلی غالب سوسائٹی کا قیام

(۱۹۱۶ء تا ۱۹۳۴ء)

1916 میں یہ تحریک ایک مرتبہ پھر دم پکڑ گئی۔ اس مرتبہ اس تحریک کو دم خم دینے والے نظامی بدایونی تھے۔ انہوں نے اپنے اخبار میں 7 اگست 1916 کو بہ عنوان ''مرزا غالب کے مزار کی مرمت'' ایک نوٹ لکھا۔ نوٹ حسب ذیل ہے:

''کئی مرتبہ ملک کے بعض دیگر معزز اخبارات پانیر وغیرہ اور خاص کر خود ذوالقرنین میں مرزا غالب مرحوم کی قبر کی مرمت کی آواز اٹھائی جا چکی ہے۔ لیکن افسوس کہ اب تک اس کے متعلق کوئی عملی کارروائی نہیں ہوئی۔ ہمدرد ؔ مرحوم جب دہلی میں جیتا جاگتا موجود تھا اس وقت غالباً کچھ چندے کا سلسلہ بھی شروع ہوا تھا اس کا بھی کچھ عملی نتیجہ نہ نکلا۔ اس ہفتے روزنامہ کسان لاہور نے جناب خلیق دہلوی ؔ کی ایک پُر درد نظم لکھ کر اس مسئلے کو پھر چھیڑا ہے۔ مرزا مرحوم کا مزار جو ابھی بالکل بے نشان نہیں ہوا اور جو ایک مشہور اور مقدس درگاہ کے احاطے کے اندر واقع ہے اس کی مرمت ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں اور نہ اس کے لیے کسی خاص چندے اور بڑے بڑے عطیوں کی ضرورت ہے۔ تمام ہندوستان میں دلدادگانِ کلام غالب کی تعداد اس وقت کچھ کم نہیں ہے۔

اگر وہ سب تھوڑا تھوڑا چندہ دیں جب بھی یہ کام آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ میں اپنی طرف سے اردو دیوان غالب کے خاص ایڈیشن کی بقیہ 300 جلدیں اس ضروری کام کے لیے اس طریقے سے پیش کرتا ہوں کہ وہ تمام ارباب دردو احساس جو مرزا غالب جیسے اردو ادب کے محسن کی یاد کو زندہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، اجازت دیں کہ ایک روپیہ آٹھ آنے[8] میں اردو دیوان غالب کا خاص ایڈیشن جو بجائے خود مرزائے مرحوم کی زندہ یادگار ہے اور جو نہایت اہتمام اور خوش سلیقگی سے عالی جناب سر راس مسعود[9] صاحب بی اے آکسن آئی ای ایس کی تحریک سے شائع کیا گیا ہے۔ کاغذ سفید چکنا، قلم جلی، ٹائٹل خوش نما مع مرزا کے مستند فوٹو کے۔ بذریعہ وی پی ان کے نام نامی پر بھیج دیا جائے اور جس وقت یہ سب کتابیں فروخت ہو جائیں تو کل روپیہ بعد وضع کمیشن و مصارف ڈاک وغیرہ حضرت خلیق دہلوی یا کسی دوسرے دوست کو جو دہلی میں مقیم ہوں سپرد کر دیا جائے کہ وہ اس تاجدار سخن کے ٹوٹے ہوئے مزار کی جس کا نظارہ اہل نظر اور اہل دل کے لیے ایک عبرت ناک سین کا کام دیتا ہے۔ مرمت کرا کے آثار سلف کی بقا و حفاظت کے فرض کفایہ کو انجام دیں۔"

(خاکسار، ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں)

نظامی کا یہ نوٹ ہم عصر اخبارات و رسائل میں نقل ہوا۔ 'الناظر' لکھنؤ، 'عبرت' نجیب آباد نے ستمبر 1916 کی اشاعتوں میں اسے نقل کیا۔ نظامی کے دیوان غالب (طبع اول 1915) کی تین سو جلدوں کی کل قیمت (بعد از فروخت) مزار غالب کی مرمت کے لیے نذر کر دینے کے منصوبے کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ بعض دوسرے اخبارات نے بھی اس قسم کی چندہ اسکیموں کا اعلان کیا۔ ماہنامہ 'نظارہ' میرٹھ نے نومبر، دسمبر 1916 کی اشاعت میں ایک اعلان جاری کیا کہ جو حضرات نظارہ میرٹھ کی نئی خریداری قبول کریں گے ان کے

چندے میں سے ایک روپیہ مزارِ غالب کی مرمت کے لیے مخصوص کردیا جائے گا۔
(العلم کراچی، غالب نمبر، ص:149)

اظہر دہلوی نے ایڈیٹر 'تمدن' لکھنؤ کو خط لکھ کر یہ اطلاع دی کہ ان کا مرتبہ، ہندوستان کے قومی شعرا کے کلام کا مجموعہ بہ نام 'عطر سخن' (جذبات مسلم) کی ماہِ اکتوبر میں جس قدر جلدیں فروخت ہوں گی ان کی کل قیمت کا 25 فیصدی حصہ مزار غالب فنڈ میں دیا جائے گا۔ اگر بالاتفاق چار سو نسخے فروخت ہوگئے تو وہ 100 روپے دینے کی سعادت حاصل کریں گے۔ (ضمیمہ رسالہ تمدن لکھنؤ، اکتوبر 1916)

اسی سلسلے کو دراز کرتے ہوئے مدیر تمدن لکھنؤ نے بھی یہ اشتہار دیا کہ دفتر رسالہ تمدن کی نوطبع کتابیں ''سعید'' اور سعادت (اخلاقی ناول) مصنفہ قاری سرفراز حسین کی جو جلدیں ماہِ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہوں گی ان کی قیمت میں سے 40 فی صد وہ مزار غالب فنڈ میں دیں گے۔ (بحوالہ سابق اردوئے معلیٰ غالب نمبر، ص:369-368)

14 ستمبر 1916 کو نظامی بدایونی نے اپنے اخبار ذوالقرنین میں ''ایڈیٹوریل نوٹس'' عنوان کے تحت مزارِ غالب کے متعلق ایک طویل اداریہ لکھا جس میں انہوں نے متعدد تجاویز پیش کیں۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

> ''مرمت مزارِ غالب کے متعلق ہم نے جو تحریک دیوانِ غالب کے خاص ایڈیشن کی کاپیاں دیگر ملک (مراد صوبہ) کے اکثر اخبارات کے ذریعے سے پیش کی تھی اس نے تمام قدر دانانِ کلامِ غالب کے دلوں میں ایک حرکت پیدا کردی ہے لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ اس معاملے میں اخبارات میں غلط تحریریں شائع کر رہے ہیں۔ ایک تحریر ہم عصر 'کسان' کے پاس کسی شخص نے بھیج دی کہ اس کام کے لیے دہلی میں ایک کمیٹی قائم ہوگئی ہے لیکن بعد کو یہ تحریر فرضی

نکلی اور ہم عصر 'کسان' کو اس کی تردید چھاپنا پڑی۔" [50]

...البتہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے حضرت خواجہ حسن نظامی اور ملا [51] واحدی صاحب سے بہتر دوسرے اشخاص نہیں ہوسکتے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے کمیٹی ضرور قائم ہو اور اس میں حضرت خواجہ صاحب، جناب ملا صاحب حضرت طالب [52]، جناب خلیق صاحب اور جناب خلیقی [53] ضرور شریک ہوں۔ اس طرح چندہ دہندگان کو بھی اطمینان رہے گا اور کام کرنے والوں کی مستعدی سے فائدہ اٹھانے کا بھی موقع ملے گا۔ اس سے پہلے اس تحریک میں جو رقمیں ضائع ہوچکی ہیں [54] ان کو دیکھتے ہوئے بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف گوشوں کے چندہ دینے والے اس معاملے کو کسی ایک فرد کے ہاتھ میں دینا پسند کریں۔"

"ہم کو جناب خلیق کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ پچھلے تحویل داروں سے رقم کا مطالبہ کیا جائے۔ اس وقت کوہ کندن وکاہ برآوردن کا موقع نہیں ہے۔ کرنا وہ چاہیے جس سے کوئی عملی نتیجہ پیدا ہو... ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دہلی میں حکیم حاذق الملک صاحب بہادر اس فنڈ کی نگرانی کا کام اپنے ذمے میں لینے کے لیے تیار ہیں۔ اب صرف یہ ضرورت ہے کہ دو ایک صاحب، مرمت وتعمیر نگرانی کا کام اپنے ذمے لے لیں۔ صرف ایک ہزار روپے کے کام کافی الحال تخمینہ کیا جاتا ہے۔"

بالآخر نظامی بدایونی کی تجاویز ومشورے، خلیق دہلوی کے اخلاص اور حامد علی خاں کی عملی جدوجہد نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور دہلی میں چند ممتاز افراد کے اشتراک وتعاون سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا خازن حکیم اجمل خاں (ف: 1927) بنایا گیا۔ 1917 میں

حامد علی خاں کا ایک مراسلہ مکتوبہ 12 جنوری 1917 ماہنامہ معیار لکھنؤ (جنوری 1917) میں شائع ہوا۔ اس مراسلے پر معیار کے مدیر عزیز لکھنوی (ف:1935) کا تائیدی نوٹ بھی ہے اور نوٹ کے آخر میں چند شعر بھی۔ اس مراسلے میں حامد علی خاں نے لکھا تھا:

> ''آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت غالب کے مزار کی مرمت کی نسبت پھر تحریک شروع ہوئی ہے۔ ایک کمیٹی باثر دہلی میں قائم ہوئی ہے۔ مخدومی و مکرمی جناب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب ''حافظ الملک'' نے میرے اصرار سے خدمت خزانچی قبول فرمائی ہے۔ تخمیناً کل دو ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ یہ رقم کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ ہزار ہا دلدادہ و قدردان، کلام غالب کے ہندوستان میں موجود ہیں۔ ذرا سی توجہ فرمائیں اور جو رقم ان کے امکان میں ہو وہ براہِ راست جناب حکیم صاحب موصوف کی خدمت میں بھیج دیں۔ پتا یہ ہے... محلہ بلی ماران، دہلی۔
>
> میں نے پچاس روپے ؁ جناب حکیم صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دیے ہیں اور اس امر کا اظہار محض اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ مجھ کو بعد بھیجنے اپنی رقم کے یہ استحقاق میری رائے میں حاصل ہوا ہے کہ میں ان صاحبوں کی خدمت میں جن کو مرمت مزار غالب میں دلچسپی ہو یہ عرض کروں گا کہ اپنا چندہ براہِ راست جناب حکیم صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دیں۔ حامد علی خاں، محلہ سدّو، امروہہ، ضلع مراد آباد۔''

(ماہنامہ معیار لکھنؤ، جنوری 1917، ص:2، بحوالہ غالب تام آدرم، ص:313-312)

عزیز لکھنوی نے حامد علی خاں کے مذکورہ صدر خط پر جو ادارتی سطور تحریر کی تھیں ان کو نقل کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ انہوں نے لکھا تھا:

> ''آپ (حامد علی خاں بیرسٹر) نے مرمت مزار غالب کے متعلق پھر تحریک کی ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ بات افسوسناک نہیں کہ ایک

مدت سے اخبارات وجرائد میں یہ مسئلہ پیش ہے۔ مضمون نگار لکھتے لکھتے عاجز ہوگئے، اخبارات اپنے فرائض ادا کر چکے مگر ہنوز روز اول۔ سمجھنے والے سمجھے ہوں گے کہ خاک کے ڈھیر کا سنورنا ہی کیا؟ لیکن ان کو نہیں معلوم۔ اگر اس قطعۂ زمین کی تشریح کوئی 'عرش پیا' دماغ کرے تو اس کو کیا نظر آئے گا۔ امید ہے کہ ارباب ادب اس کی طرف توجہ فرمائیں گے... ہماری قوم میں ایسے افراد ہیں جو تنہا اس فرض کو ادا کر سکتے ہیں... کیوں غالب کی روح کو چندے سے شرمندہ کریں۔"

(معیار حوالہ سابق، غالب نام آورم، ص:313)

پیارے لال شاکر میرٹھی (ف: 1956) نے بھی مزارِ غالب کی مرمت کے سلسلے میں ماہنامہ 'ادیب' الٰہ آباد کی ادارت کے دوران "غالب میموریل فنڈ" کھولا تھا۔ 1917 میں جب وہ 'العصر' لکھنؤ کے مدیر تھے انہوں نے خلیق دہلوی کی نظم "مزارِ غالب" پر ایک نوٹ لکھا تھا۔ یہ نوٹ بھی ہدیۂ ناظرین ہے:

"العصر کے اس نمبر میں جناب خلیق دہلوی کی ایک نظم درج کی جاتی ہے جس میں مزارِ غالب کی حالتِ زار بیان کر کے پبلک سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس کو گمنامی کے ہاتھوں سے بچائیں۔ دہلی کے چند خاص حضرات اس کے متعلق خاص کوشش فرما رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ معاونین 'العصر' بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔

چار برس ہوئے کہ مسٹر محمد علی نے 'ہمدرد' (صحیح کامریڈ)[۵۶] میں ایک اپیل شائع کی تھی اور پبلک نے اس تجویز کو نہایت پسند کیا تھا۔ چنانچہ ایک معقول رقم جمع بھی ہوئی تھی۔ جس کی رسید 'ہمدرد' میں چھپی تھی۔ خود ہم نے بھی 'ادیب' مرحوم میں 'غالب میموریل فنڈ' کھولا تھا اور ایک خاص رقم اس سلسلے میں وصول ہوئی تھی۔ جب ہم نے 'ادیب' سے

قطع تعلق کیا تو وہ رقم بھی انڈین پریس کے حوالے کردی۔ اس کے بعد ہم نے دو تین دفعہ مسٹر محمد علی کو تحریر کیا کہ اگر کام شروع کرنے کا ارادہ ہو تو یہ روپیہ منگالیا جائے۔ مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اب چونکہ حکیم اجمل خاں اور خواجہ حسن نظامی ایسے افراد اس تحریک میں شریک ہیں اور پبلک کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ ان کا عطیہ رائیگاں نہ جائے گا 'ادیب' کے ذریعے سے جو رقم فراہم ہوئی تھی وہ اس کام کے لیے انڈین پریس سے ہر وقت مل سکتی ہے۔ نہیں معلوم مسٹر محمد علی کے جمع کردہ چندے کا کیا ہوا۔''

(العصر لکھنؤ، ج 4 نمبر 3، بحوالہ رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت، ج 2، ص: 235)

اس دوران شعرا نے بھی نظمیں لکھ کر اس تحریک کو تقویت دی۔ جولائی 1916 کے آخری یا اگست کے پہلے ہفتے کی کسی تاریخ میں روزانہ ''کسان'' لاہور نے خلیق دہلوی کی نظم ''مزارِ غالب'' شائع کی۔ یہ نظم 12 بند پر مشتمل تھی۔ شاعر کے اخلاص نے دلوں پر اثر کیا۔ بعض دوسرے رسائل نے بھی اسے ''کسان'' سے نقل کیا۔ چنانچہ ''العصر'' لکھنؤ ج 4 نمبر 3 میں یہ نظم شاکر میرٹھی کے ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ یہ نظم رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت (مطبوعہ پٹنہ، 1980) اور ہماری زبان دہلی یکم اگست 1997 میں مکمل دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں صرف دو بند ملاحظہ فرمائیں:

جب سیر کرنے نکلے دیکھا مزارِ غالب	زیرِ زمیں نہاں تھی فصلِ بہارِ غالب
یاد آ رہا تھا سب کو وہ افتخارِ غالب	نظروں میں پھر رہا تھا عز و وقارِ غالب

حسرت برس رہی تھی، روتی تھی خوش بیانی
اردو، لحد کے اوپر کرتی تھی نوحہ خوانی

افسوس قبر اس کی ٹوٹی ہوئی پڑی ہے	بوسیدہ ہوگئی ہے، پھوٹی ہوئی پڑی ہے
دستِ فلک سے بالکل لوٹی ہوئی پڑی ہے	بے غور ہے، نظر سے چھوٹی ہوئی پڑی ہے

مٹنے کو ہو رہی ہے، غالب کی یاد ساری

شعر و سخن لحد پر کرتے ہیں آہ وزاری

(رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت، ج2، ص:236)

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی (ف: 1935) نے بھی ایک نظم کہہ کر مزار غالب کے لیے چندہ لینے اور دینے والوں کو غیرت دلاتے ہوئے قوم کی بے حسی کا ماتم کیا۔ چھ اشعار پر مشتمل یہ نظم آج بھی اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی۔

سجو آرائش دنیا سے تم اپنے مکانوں کو
مٹاتے جاؤ لیکن یوں بزرگوں کے نشانوں کو

نگاہِ عبرت افزا غیر قوموں کے مقابر پر
پھر اشکِ خوں بہانا چاہیے اپنے اکابر پر

زمیں میں دفن کر کے جن کو پھر کروٹ نہ لی تم نے
خدا معلوم کیوں کر، دی انہیں مٹی بھی (تھی) تم نے

نہیں کیا امتیاز اے قوم کوئی تیرے ناموں میں
ہزار افسوس چندے کی ضرورت ایسے کاموں میں

بہت سے نام ہیں ایسے سرِ فہرست عزت میں
جواہر صرف کر دیں جو تنِ تنہا عمارت میں

مگر جب ان کی دل سوزی کا پہلو کم نکلتا ہے

بجائے شمع ان باتوں سے دل محفل میں جلتا ہے

(غالب نام آورم، ص:314)

یہ تحریک جس زور و شور کے ساتھ شروع ہوئی تھی، اس تحریک میں حصہ لینے والے قوم و ملت اور ادب کے نامور اور معتبر ترین افراد حامد علی خاں، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی، حکیم اجمل خاں، نظامی بدایونی، خلیق دہلوی، طالب دہلوی وغیرہ کیوں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کو عملی طور پر کیا مشکلات پیش آئیں۔ وہ رقوم جو ملک بھر سے مختلف افراد نے اپنی ذاتی کوششوں سے جمع کی تھیں، ان کو کہاں اور کس طور استعمال کیا گیا، یہ سوالات ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں۔

1919 میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی (ف: 1927) نے بڑی دل سوزی کے ساتھ اس تحریک کا ماتم کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا:

"غالب کے ایک نہیں، دو نہیں، ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اب بھی بہت سے کھاتے پیتے خوش حال ہیں۔ جن کو دعویٰ غالب سے تلمذ کا ہے۔ اگر تھوڑا تھوڑا بھی دیتے تو قبر کی یہ حالت نہ ہوتی۔ کچھ دن ہوئے باسی کڑھی میں ابال آیا تھا، غلغلہ سنا تھا کہ غالب کی قبر بن رہی ہے، چندہ ہو رہا ہے اور کچھ چندہ ہوا بھی مگر جس طرح مسلمانوں کے اور کام اینڈ رہ جاتے ہیں یہ دفتر بھی گاؤ خورد ہو گیا۔"

(واقعات دارالحکومت دہلی، ج2، ص:872)

تیسری جدوجہد اور دوسری غالب سوسائٹی کا قیام

(۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۲ء)

1932 میں یہ تحریک ایک مرتبہ پھر سے برپا ہوئی۔ نظامی بدایونی نے ''مرزا غالب کے مزار کی تعمیر'' عنوان سے ایک تحریر لکھی تھی۔ (مطبوعہ ذوالقرنین بدایوں، 28 اپریل 1932) لیکن اولین دور کے تجربات ونتائج کے پیش نظر یہ تحریک بہت سست رفتار رہی۔ 1935 میں اچانک اس تحریک نے خاص دہلی میں ایک تنظیم کی صورت اختیار کرلی جسے ''غالب سوسائٹی'' کا نام دیا گیا۔ غالب کے یومِ وفات 15 فروری کی رعایت سے 15-16 فروری 1936 کو اسی سوسائٹی کے زیر اہتمام عربک کالج دہلی کے ہال میں پہلا ''غالب ڈے'' یعنی ''یومِ غالب'' منایا گیا۔ اس تقریب میں 25 ہزار مرد وعورت بلاتفریق مذہب وملت شریک ہوئے۔

غالب سوسائٹی کے قیام کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہوسکا۔ البتہ اس کے قیام کے بعد ماہنامہ ہمایوں لاہور کے کالم ''جہاں نما'' کے تحت مزار غالب۔ دہلی میں یادگار غالب کا قیام عنوان سے ایک مضمون نما خبر شائع ہوئی تھی جس کا متعلقہ حصہ حسب ذیل ہے:

> غنیمت ہے کہ نصف صدی کے بعد ہندوستان نے بھی اپنی غفلت کی نیند میں ایک کروٹ لی ہے۔ ہم ملک کے نامور شاعر اور

مصنف پنڈت برج موہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی صدر ''اردو سبھا''
لاہور کے ممنون ہیں کہ انہوں نے گذشتہ جنوری کے اواخر میں لالہ سری
رام[۵۷] مرحوم مصنف خم خانہ جاوید کے مکان پر دہلی کے ادبا و اکابر کو مدعو
کیا اور ایک مؤثر تقریر کر کے انہیں مزار غالب کی افسوسناک حالت کی
طرف توجہ دلائی۔ حاضرین اس تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور اسی
وقت انہوں نے ایک با قاعدہ جلسے کی صورت اختیار کر کے ایک انجمن کی
بنا ڈالی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ غالب کے مزار کو اس کے شایان شان
بنانے کی کوشش کی جائے۔ قبر پر ایک قبہ بنایا جائے اور اس سے ملحق چند
حجرے تعمیر ہوں جو زائرین کی آرام گاہ کا کام دیں۔

انجمن کے عہدہ دار حسب ذیل اصحاب[۵۸] قرار پائے۔

صدر: علامہ برج موہن صاحب دتاتریہ کیفی

نائب صدر: خواجہ حسن نظامی صاحب و لالہ دیش بندھو صاحب مالک تیج

معتمد: میر محمد حسین صاحب نمبر، 1532 ایجرٹن اسٹریٹ، دہلی۔

خزانچی: حکیم عبدالحمید صاحب ہمدرد دواخانہ

نائب معتمدین: پروفیسر آغا محمد اشرف صاحب ایم اے،
مولانا عشرت رحمانی ایڈیٹر نیرنگستان۔

اسی وقت ایک مجلس انتظامیہ بھی بنائی گئی جس میں عہدہ داروں
کے علاوہ حضرات ذیل شامل ہیں:

مسٹر آصف علی ایم ایل اے، پنڈت امرناتھ صاحب ساحر، ڈاکٹر
سید احمد صاحب، پنڈت آراین ہکسر صاحب اور ملا واحدی۔

ہمیں یہ سن کر مسرت ہوئی ہے کہ اس انجمن نے باقاعدہ کام
شروع کر دیا ہے اور عنقریب اس کی باضابطہ رجسٹری بھی ہو جائے گی۔

چندہ جمع ہو رہا ہے اور مسیح الملک حکیم محمد احمد صاحب نے مزار کی ملحقہ زمین جو اُن کی ملکیت تھی، مکان تعمیر کرنے کے لیے انجمن کو دے دی ہے۔ اس کے علاوہ ہمدرد دواخانے کے مالک حکیم حاجی عبدالحمید صاحب نے تین سو گز زمین کا ایک ٹکڑا چھ سو روپے میں خرید کر انجمن کو دیا ہے۔[59]

ملک کو اس اہم کام میں امکانی مدد دے کر گذشتہ غفلت کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ ہمیں امید ہے کہ بلالحاظِ مذہب وملت ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی غرض کہ ہر ہندوستانی اپنی قومی روایات کے اس شاندار ''نئے شوالے'' کی تعمیر میں مدد دے کر اپنی غیرتِ قومی کا ثبوت دے گا۔

انجمن کے متعلق ہر قسم کی خط وکتابت میر محمد حسین صاحب، معتمد انجمن یادگار غالب (532 ایجرٹن اسٹریٹ، دہلی) سے ہونی چاہیے۔

(مزار غالب، دہلی میں یادگار غالب کا قیام، ہمایوں لاہور، جون 1935)

اسی سے ملتی جلتی اطلاع خواجہ حسن نظامی نے اس سوسائٹی کے تعارف پر مشتمل ایک مضمون بہ عنوان ''غالب سوسائٹی اور غالب ڈے کا تعارف'' میں دی ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''گذشتہ سال (یعنی 1935 میں) چند ہندو ومسلمان جناب سری رام صاحب آنجہانی مصنف خم خانۂ جاوید کے مکان پر جمع ہوئے اور ایک انجمن بنائی گئی جس کا نام ''غالب سوسائٹی'' رکھا گیا اور اس کے صدر پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی منتخب ہوئے اور نائب صدر پنڈت امرناتھ صاحب ساحر دہلوی اور حسن نظامی اور لالہ دیش بندھو گپتا ڈائریکٹر اخبار 'تیج' دہلی قرار پائے۔ اور سکریٹری میر محمد حسین

صاحب مالک فرم زنگی قلم دہلی اور آغا محمد اشرف صاحب ایم اے اور عشرت رحمانی صاحب ایڈیٹر رسالہ (نیرنگستان) دہلی بنائے گئے۔ ملا واحدی صاحب ایڈیٹر ... پروفیسر اکبر حیدری صاحب وغیرہ اصحاب ممبر اور حکیم حاجی عبدالحمید صاحب مالک دواخانہ ہمدرد دہلی خزانچی بنائے گئے۔ مرقد غالب کے شرق میں ایک بڑا قطعۂ اراضی واقع تھا اس کو خزانچی صاحب یعنی حاجی عبدالحمید صاحب نے معقول قیمت پر اپنے پاس سے دے کر خرید لیا اور غالب سوسائٹی کو دے دیا اور مزارِ غالب کے غرب میں ایک قطعہ زمین حکیم محمد واصل خاں مرحوم برادر بزرگ جناب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب (کی) مرحومہ بیگم صاحبہ نے اپنے داماد مسیح الملک ثانی حکیم محمد احمد خاں صاحب کی سفارش سے عطا فرمایا۔ (ہفتہ وار منادی دہلی، 28-21 فروری 1936)

ہمایوں کی خبر اور خواجہ صاحب کے مذکورہ بالا بیان میں غالب سوسائٹی کے ممبروں کے مناصب کی تقسیم میں جو معمولی فرق دکھائی دیتا ہے اس کی صحت کا فی الوقت کوئی ذریعہ نہیں۔ البتہ ہمایوں کی خبر میں غالب سوسائٹی کی نذر کی جانے والی جس زمین کو حکیم محمد احمد خاں کی ملکیت قرار دیا ہے وہ دراصل حکیم محمد واصل خاں (ف: 1903) کی زوجہ کی ملکیت تھی اور حکیم محمد احمد (جو اُن کے داماد تھے) کی فرمائش پر انہوں نے ہی اُسے غالب سوسائٹی کو نذر کی تھی۔ خواجہ حسن نظامی اور مالک رام نے متعدد جگہ اور غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''غالب'' (لاہور 1936) میں زوجہ حکیم محمد واصل خاں کا غالب سوسائٹی کو زمین نذر کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا یہی بیان درست معلوم ہوتا ہے۔

1935 میں بنی یہ ''غالب سوسائٹی'' دراصل 1916 کے اواخر میں مزار غالب کی مرمت کے لیے بنی اس کمیٹی یا سوسائٹی کی توسیعی شکل تھی جس کا خزانچی حکیم اجمل خاں

(ف:1927) کو بنایا گیا تھا۔ حکیم اجمل خاں نے لکھنؤ کے ساکن حامد علی خاں بار ایٹ لا (ف:1918) کے اصرار پر یہ خدمت قبول کی تھی۔ اخبارات و رسائل میں یہ مشتہر کیا گیا تھا کہ جو اصحاب مرمتِ مزار غالب میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ اپنا چندہ براہِ راست حکیم صاحب کو بھیج دیں۔ (ماہنامہ معیار لکھنؤ، جنوری 1917)

''غالب سوسائٹی'' کا پہلا ہدف یوم غالب کا انعقاد تھا۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی نے ہندوستان کے علمی سرپرستوں اور والیان ریاست کو ''غالب ڈے'' کی امداد کے لیے پچاس تار بھیجے جن کے جواب میں مختلف افراد کے پیغامات موصول ہوئے اور بعض حضرات نے چندہ بھی ارسال کیا۔ چند بیرونی اور بیشتر مقامی کل 22 افراد سے موصول شدہ رقم 932 روپے کے علاوہ مقامی افراد کے ساز و سامان و جنس وغیرہ سے یہ غالب ڈے تکمیل کو پہنچا[۱۱]۔ اس موقع پر ''غالب ہال'' کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا گیا جس کا تخمینہ دس ہزار روپیہ اور اس کی تعمیر کا آغاز مارچ 1936 سے ہونا طے پایا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب سوسائٹی چندہ جمع کرنے میں ناکام رہی۔ یوم غالب کے موقع پر جن حضرات نے دست تعاون بڑھایا تھا انہوں نے دوبارہ اس امر پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔

غالب کا اقبال بس اس طور بلند ہوا کہ:

15-16 فروری کو عربک کالج ہال میں غالب ڈے منعقد ہوا۔

16-17 فروری کو آل انڈیا ریڈیو نے غالب پر تقاریر نشر کیں۔

18 فروری کو حیدر آباد میں ''یوم غالب'' منایا گیا۔

ہفتہ وار منادی نے 21-28 فروری 1936 کی اشاعت کو مشترک شائع کر کے اس کو غالب سے مخصوص کیا[۱۲]۔ لیکن مزار غالب کا معاملہ جوں کا توں رہا۔ اتنا ضرور ہوا کہ ماہنامہ ہمایوں لاہور اپریل 1936 کی اشاعت میں خواجہ حسن نظامی نے اس سلسلے میں مزید ایک نوٹ بہ عنوان ''غالب اور ذوق کی قبریں'' لکھا[۱۳]۔ اس مضمون کے ساتھ مدفن

غالب، قبر غالب، احاطہ مزار ذوق اور قبر ذوق کی تصویریں بھی دی گئیں جو مدیر ہمایوں نے مارچ 1936 میں دہلی کے دورے کے دوران اتاری تھیں۔ اس مختصر مضمون کا غالب کی قبر سے متعلق اقتباس قاضی عبدالودود نے معیار پٹنہ (مئی 1936) میں مرقد غالب کے عنوان سے نقل کیا تھا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرقد غالب سے متعلق خواجہ صاحب کا نوٹ مکمل درج کردیا جائے:

"نواب اسداللہ خاں غالب کا مزار میری درگاہ کے قریب لب سڑک واقع ہے۔ مزار کے پائیں یعنی جنوب میں شہنشاہ اکبر کے کوکا خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کا مقبرہ ہے جس کو چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں۔ مزار کے غرب میں قبر سے ملی ہوئی بیگم صاحبہ حکیم واصل خاں مرحوم کے مکان کی دیوار ہے اور شرق میں نواب لوہارو کے خاندان کی کچھ قبریں ہیں۔ پھر ایک دیوار ہے اور اس کے باہر شکستہ قبرستان ہے جس کے وارث اب موجود نہیں۔ غالب سوسائٹی کا ارادہ ہے کہ شمالی دیوار کو ہٹا کر شکستہ قبرستان درست کردیا جائے اور شمال کی طرف سڑک کے پاس ایک شاندار دروازہ بنادیا جائے۔ جتنی زمین مرحومہ بیگم صاحبہ نے مزار کے غرب میں عطا فرمائی تھی اس کو شامل کرکے غالب کا مزار اتنا اونچا بنادیا جائے جو سڑک سے نظر آنے لگے اور مشرق میں غالب ہال بنایا جائے تاکہ آئندہ جلسے اور مشاعرے مزار کے قریب ہی ہوسکیں۔ غالب کا مزار نواب صاحب لوہارو کے قبرستان میں ہے اس لیے قبرستان کے وارث غالب کا مزار بنانے میں مزاحمت کرتے ہیں لہٰذا تجویز کی گئی ہے کہ صرف غالب کی قبر کو بنادیا جائے۔ لوہارو والوں کو اگر اپنے بزرگوں کی قبروں کا خیال ہوگا تو خود بنوالیں گے۔"

(غالب اور ذوق کی قبریں، ماہنامہ ہمایوں لاہور، اپریل 1936)

1911 سے 1936 تک تقریباً 25 سال کی کارگزاریاں اور اس سلسلے کی تحریریں پیش کی جا چکی ہیں۔ انہیں بغور دیکھنے کے بعد کیا آپ اس نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کہ یہ تحریک بنیادی طور پر مرکزی قیادت سے محروم تھی اور مختلف مقامات پر مختلف افراد کے ہاتھوں مختلف انداز پر کام کر رہی تھی۔ اس میں عملی وحدت کا فقدان تھا اور منصوبہ بند جدوجہد کا بھی۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ملک کے اخبارات و رسائل لگاتار مزارِ غالب پر ایک یادگار بنانے کی ترغیب دے رہے ہیں مگر خاندان لوہارو کے وہ افراد جن کے ذاتی قبرستان میں غالب مدفون ہیں ان کو نہ تو اس تحریک میں شامل کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو اعتماد میں لے کر آگے کام کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ ملک میں لگاتار چندہ دینے کی اپیلیں کی جا رہی ہیں، چندہ بھی ہو رہا ہے لیکن جب خاندان کے لوگ چندے کی رقوم سے مزارِ غالب کی مرمت سے انکار کر دیتے ہیں تو یہ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کیا چندہ جمع کرنے، کمیٹیاں تشکیل دینے، اخبارات و رسائل میں پُر زور تحریریں پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری نہیں تھا کہ اُن افراد کی بھی اس سلسلے میں رائے لے لی جاتی، جن کی اجازت و مرضی کے بغیر اس قبرستان میں ایک اینٹ بھی لگانا ممکن نہیں تھا اور ان کی مرضی و رائے کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے آگے کی کارگزاری کے لیے کوئی صورت نکالی جاتی۔ جیسا کہ 1952 میں "غالب سوسائٹی" نے کیا۔

مزارِ غالب پر بھلے ہی اُس دور میں یادگار قائم کرنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکی اور یہ تحریک کسی طور بھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوئی پھر بھی نہ معلوم کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مزار کی مرمت و نگہداشت پر تحریک سے وابستہ افراد کی گاہے بہ گاہے توجہ رہی ہوگی کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو 1905 سے 1952 تک مزار نیست و نابود ہو چکا ہوتا اور تربتِ غالب کے نام و نشان سے آج ہم ناواقف ہوتے۔

چوتھی جدوجہد اور تیسری غالب سوسائٹی کا قیام

(۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۸ء)

1916 اور 1935 کی ناکامی کے بعد 1952 میں مولانا ابوالکلام آزاد (ف: 1958) اور ڈاکٹر سرشانتی سروپ بھٹناگر (ف: 1955) نے غالب میموریل ہال بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس وقت مولانا آزاد حکومت ہند میں وزیر تعلیم تھے اور ڈاکٹر بھٹناگر وزارت تعلیم حکومت ہند میں سکریٹری تھے۔ ابھی یہ تجویز صحیح طور پر مشتہر بھی نہیں ہو پائی تھی کہ اخباری دنیا میں اس پر قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔

ہفتہ وار ریاست دہلی میں اس کے مدیر دیوان سنگھ مفتوں (ف: 1975) نے ''غالب کا مزار اور علم برادران ہندی کی بے چینی'' کے زیر عنوان اداریہ لکھا۔ (2 فروری 1953) انقلاب بمبئی نے 9 فروری 1953 کی اشاعت میں ایک گجراتی اخبار ''وطن'' کے حوالے سے یہ سرخی قائم کی۔ ''غالب کے مزار کی تعمیر پر فرقہ پرستوں کی مخالفت سے مولانا آزاد گھبرا گئے'' ریاست اور انقلاب سے شہ پا کر اخبار 'مدینہ' بجنور نے 13 فروری 1953 کی اشاعت میں ''غالب کا مزار'' عنوان سے ایک نوٹ لکھا جس میں اس نے لکھا:

> ''حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ نے جس کے انچارج مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، اپنے سالانہ بجٹ میں ڈیڑھ لاکھ کی گراں قدر رقم

غالب کے مزار کی تعمیر و مرمت کے لیے منظور کی تھی لیکن ہوا یہ کہ ہندی
کے پریمیوں کو اردو کے اس شہرہ آفاق شاعر کی یہ عزت افزائی ایک آنکھ
نہ بھائی، مختلف حلقوں سے آوازیں اٹھیں۔ یہ نقشہ دیکھ کر بعض غیر
سرکاری اطلاعات کے بموجب مولانا آزاد نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اب
ہم منظور شدہ رقم سرکاری خزانہ سے نہ لیں گے بلکہ عوام سے یہ رقم وصول
کی جائے گی۔" (مدینہ بجنور، 13 فروری 1953)

اس خبر کو پڑھ کر مولانا آزاد کے ڈپٹی پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خاں (ف: 1969) نے اخبار مدینہ کے مدیر کے نام ایک خط لکھ کر ان تمام قیاس آرائیوں کو غلط بتایا اور لکھا:

"معلوم نہیں آپ نے جن 'غیر سرکاری اطلاعات' کا حوالہ دیا ہے ان اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے اور کن راویوں کا اُن سے تعلق ہے؟ لیکن میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ پوری کہانی یک قلم بالکل بے اصل ہے اور کسی فتنہ انگیز کی گڑھی ہوئی ہے... آثار قدیمہ کا محکمہ قدیم آثار کی حفاظت کے لیے بنا ہے یادگاریں تعمیریں کرنے کے لیے نہیں بنا ہے...

اصلی واقعہ یہ ہے کہ کئی سال سے یہاں اس بات کا چرچا تھا کہ غالب کی قبر پر کوئی یادگاری عمارت تعمیر کرنا چاہیے۔ چونکہ اس کے لیے بڑی رقم کی ضرورت نہ تھی اس لیے مولانا نے تجویز کی کہ ایک رقم وہ انڈین کونسل کے فنڈ سے دیتے ہیں باقی رقم کے لیے ان حضرات سے اپیل کی جائے جنھیں اس کام میں دلچسپی ہو۔ چنانچہ یہ فنڈ کھول دیا گیا اور لوگوں نے اس میں کافی دلچسپی لی۔ ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر سکریٹری ایجوکیشن منسٹری کے جد امجد غالب کے شاگرد تھے[۲۴] اس لیے

قدرتی طور پر انہیں اس کام میں خاص دلچسپی ہوئی۔ فنڈ وہی جمع کر رہے ہیں۔ نہ تو محکمہ آثار قدیمہ نے کوئی ارادہ کیا تھا نہ کسی ہندی کے پریمی کی مخالف آواز اس وقت تک سنائی دی ہے۔" (مکتوبہ 21 فروری 1953)

مزارِ غالب کی تعمیر کے سلسلے میں اردو اخبارات کا رویہ 1911 سے 1953 تک ایک جذباتی ہلچل پیدا کرنے سے زیادہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مزار غالب تقریباً 85 سال کسمپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔

مولانا آزاد اور ڈاکٹر بھٹناگر نے مزار کی نئی تعمیر کا جو ارادہ کیا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 18 ستمبر 1953 کو نئی غالب سوسائٹی قائم کی گئی۔ خواص کی ایک جماعت سے چندہ کر کے سوسائٹی نے نواب لوہارو صاحب سے اس کی اجازت طلب کی۔ موصوف نے نہ صرف مزار کی مرمت وتوسیع کی اجازت ہی دی بلکہ 501 روپے کا عطیہ بھی دیا لیکن چندہ حسب تخمینہ موصول نہیں ہوسکا۔ تب صرف مرزا کے مزار کی تعمیر تک اس تجویز کو محدود کرلیا گیا۔ دسمبر 1954 میں مرزا کے مزار پر سنگ مرمر کی چوکھنڈی کا کام مکمل ہوگیا۔ مزار کے سامنے ایک کشادہ صحن بھی تیار ہوگیا۔ مرزا کی تاریخ وفات 15 فروری کی رعایت سے 10 فروری 1955 کو اس کا افتتاح ہوا۔

یہ مہم اِن حضرات نے کس طرح سر کی؟ اور کون کون لوگ اس کام میں اُن کے معاون بنے؟ کن مشکلات سے وہ دوچار ہوئے؟ مالک رام نے اپنے ایک مضمون "غالب سوسائٹی" میں مذکورہ کوشش وکاوش کا تفصیلی تعارف کرادیا ہے۔ یہ مضمون پہلے پہل ماہنامہ آجکل دہلی (مارچ 1958) میں شائع ہوا تھا بعد میں اُن کے مضامین کے مجموعے 'فسانہ غالب' (دلی 1977) میں شامل ہوا۔ اس مضمون کی تمہید کو حذف کر کے متعلقہ حصہ نقل کیا جارہا ہے۔ مضمون اگرچہ طویل ہے لیکن اس کا یہاں نقل کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ مزار غالب کے سلسلے میں کی جانے والی آخری بڑی کوشش کی تفصیلات

اوراس کے نتائج کا بھی علم ہوجائے۔ مالک رام لکھتے ہیں:

"1952 میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹناگر کے دل میں پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ دلّی میں غالب کی ایک یادگار تعمیر کی جائے جو اس اردو اور فارسی کے عظیم الشان شاعر کے بھی شایانِ شان قرار دی جاسکے اور اس کے مداحوں اور نام لیواؤں کے لیے بھی باعث اطمینان و فخر ہو۔ مولانا آزاد اس زمانے میں وزیر تعلیم حکومتِ ہند تھے اور سر شانتی سروپ وزارتِ تعلیم کے سکتر۔

پہلی تجویز یہ تھی کہ ایک 'غالب میموریل ہال' بنایا جائے جہاں وقتاً فوقتاً نہ صرف ادبی اجتماع اور مشاعرے ہی منعقد ہوسکیں بلکہ اگر کسی اور سماجی اور تہذیبی ادارے کو بھی ضرورت پیش آئے تو اسے بھی اس کے استعمال کی اجازت دی جائے۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ڈاکٹر بھٹناگر مرحوم نے اپنے چند ہم خیال دوستوں کا ایک جلسہ طلب کیا۔ یہ اجتماع 17 جنوری 1953 کو ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل حضرات موجود تھے:

ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر	:	سکتر، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند، نئی دلّی
شنکر پرشاد صاحب	:	چیف کمشنر، دلّی
ودیا شنکر صاحب	:	جوائنٹ سکتر، وزارت دفاع، حکومت ہند، نئی دلّی
جناب جوش ملیح آبادی	:	مدیر ماہنامہ 'آج کل'، دلّی
کنور مہندر سنگھ بیدی صاحب	:	ہاؤسنگ وریٹ کمشنر، دلّی
سید اشفاق حسین صاحب	:	ڈپٹی سکتر، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند، نئی دلّی

جناب شیوراج بہادر : دلّی

حمیدہ سلطان صاحبہ : دلّی

اس جلسے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ضروری روپیہ جمع کیا جائے جس سے مجوزہ ہال تعمیر ہو سکے۔ خرچ کا اندازہ ڈیڑھ دو لاکھ کا تھا۔ چنانچہ اس پر تمام حاضرین نے اپنے اپنے حلقہ احباب سے روپیہ جمع کرنے کا وعدہ کیا۔ سید اشفاق حسین صاحب باالتفاق رائے خزانچی مقرر ہوئے۔

کچھ دن تک کام اس نہج پر ہوتا رہا۔ جو رقوم جمع ہوئیں وہ 'غالب میموریل فنڈ' کے حساب میں لائیڈز بینک، نئی دلّی میں جمع ہوتی رہیں لیکن جلد ہی سب نے ان تمام مساعی کو کسی منظم ادارے کے سپرد کر دینے کی ضرورت محسوس کی۔ لہٰذا طے پایا کہ 'غالب سوسائٹی' قائم کی جائے اور اسے باقاعدہ رجسٹر کرالیا جائے۔ چنانچہ اس کے قواعد وضوابط بنائے گئے اور سوسائٹی کی تشکیل اور ان قواعد پر غور وخوض کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل اصحاب سے 18 ستمبر 1953 کو جمع ہونے کی درخواست کی گئی:

ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر : سکتر، وزارت تعلیم، حکومت ہند، نئی دلّی

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب : وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

جناب شنکر پرشاد صاحب : چیف کمشنر، دلّی

جناب وِدّیا شنکر صاحب : جوائنٹ سکتر، وزارت دفاع، حکومت ہند، نئی دلّی

بیگم ساجدہ سلطانہ صاحبہ آف پٹودی: نئی دلّی

نواب زین یار جنگ بہادر : حیدرآباد

جناب جوش ملیح آبادی : مدیر ماہنامہ 'آجکل' دلّی

جناب برج نرائن صاحب : دلّی

جناب شیوراج بہادر صاحب : دلّی

سید اشفاق حسین صاحب : ڈپٹی سکتر، وزارت تعلیم، حکومت ہند، نئی دلّی

ان میں سے بیگم صاحبہ پٹودی اور نواب زین یار جنگ بہادر اور جوش ملیح آبادی اس جلسے میں نہیں آسکے تھے۔ انہوں نے غیر حاضری کے لیے معذرت کی اور لکھ بھیجا کہ اجتماع میں جو فیصلہ ہوگا اسے ہم منظور کرتے ہیں اور مزید یہ کہ ہمیں اس سوسائٹی کا اساسی رکن بننے میں کوئی عذر نہیں ہے۔

جلسے میں یہ قرارداد منظور ہوئی:

'میرزا اسداللہ خان غالب کی یادگار کو دوامی شکل دینے کے مقصد سے غالب سوسائٹی کے نام سے ایک ایسوسی ایشن بنائی جائے۔ اس کے لیے فوری کارروائی کی جائے تاکہ غالب کی قبر کی مرمت ہوسکے اور اس پر ایک موزوں عمارت بنائی جائے، مزید یہ کہ اس کی یاد میں ایک ہال تعمیر کیا جائے۔'

اس جلسے میں سید اشفاق حسین صاحب نے حاضرین کو مطلع کیا کہ لینڈ ڈیولپمنٹ آفیسر (Land Development Officer) نے مجوزہ ہال تعمیر کرنے کے لیے بستی نظام الدین میں زمین کا ایک ٹکڑا مخصوص کردیا ہے۔ جونہی سوسائٹی کی رجسٹری ہوجاتی ہے اس جگہ کے حصول کے لیے باضابطہ درخواست دے دی جائے گی۔ اس کے بعد سوسائٹی کی مجلس منتظمہ کا حسب ذیل انتخاب ہوا:

صدر : ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر صاحب

سکتر : سید اشفاق حسین صاحب

خزانچی : جناب ودیا شنکر صاحب

اراکین مجلس عاملہ : بیگم صاحبہ پٹودی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، جناب شنکر پرشاد صاحب، نواب زین یار جنگ بہادر، جناب جوش ملیح آبادی، جناب شیوراج بہادر صاحب، جناب برج نارائن صاحب۔

لیکن جناب ودیا شنکر صاحب خزانچی کا عہدہ سنبھال بھی نہیں سکے تھے کہ ان کا تبادلہ کلکٹر اور مجسٹریٹ کی حیثیت سے پالن پور (بمبئی) ہوگیا۔ اس لیے اس کے بعد جناب برج نارائن صاحب کو خزانچی بنایا گیا۔ اب تک تمام وصول شدہ رقوم لائیڈز بینک، نئی دلّی میں 'غالب میموریل فنڈ' کے حساب میں جمع ہوتی رہی تھیں۔ جب سوسائٹی کی باقاعدہ تشکیل ہوگئی تو حساب مذکور کا نام بھی بدل کر 'غالب سوسائٹی' کردیا گیا۔

نواب زین یار جنگ بہادر (حیدرآباد) ہندوستان کے مایۂ ناز ماہرِ فنِ تعمیر (Architect) تھے۔ انہوں نے مجوزہ مقبرے اور ہال کے نقشے تیار کیے۔ روپے کی فراہمی کا کام تو ہو ہی رہا تھا، سوسائٹی کے سکریٹری کی درخواست پر پورن چند صاحب ایگزیکیوٹیو انجینئر، محکمہ تعمیرات ہند نے کام کی دیکھ بھال کے لیے اپنی اعزازی خدمات پیش کردیں۔ چنانچہ تعمیر کا تمام کام انہی کی نگرانی میں ہوا۔ سوسائٹی کا تخمینہ یہ تھا کہ مجوزہ نقشے کے مطابق قبر پر سنگ مرمر کی چوکھنڈی بنانے پر 13,197 روپے کا خرچ اٹھے گا۔ اس کی تیاری کے لیے چھ مختلف فرموں نے ٹنڈر پیش کیے۔ ان میں سے مسرز عبدالحکیم حسین بخش، مکرانہ

(راجستھان) کا ٹنڈر سب سے ارزاں تھا۔ یہ فرم راجستھان میں سنگ مرمر کا کاروبار کرتی ہے۔ انہوں نے یہ کام 11,287 روپے 3 آنے، یعنی سوسائٹی کے تخمینے سے ساڑھے چودہ فیصد کم پر مکمل کردینے پر آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کا ٹنڈر منظور کرلیا گیا۔

فرم نے مجوزہ نقشے کے مطابق سنگ مرمر کی منقش تختیوں اور جالیوں کی تیاری کا کام اپنے کارخانے (مکرانہ) ہی میں کیا۔ انہوں نے جون 1954 میں کام شروع کیا تھا اور سب چیزیں اکتوبر 1954 کے آخر تک تیار ہوگئی تھیں۔ ٹھیکے کی رو سے انہیں چوکھنڈی کو نومبر 1954 تک مکمل کردینا چاہیے تھی لیکن بہ وجوہ یہ کام دسمبر 1954 میں ختم ہوا۔

افسوس کہ سوسائٹی کے سرگرم صدر ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر کو اپنی مساعی کو پوری طرح بارآور ہوتے دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ یکم جنوری 1955 کو اچانک ان کا انتقال ہوگیا۔ اس پر 9 جنوری 1955 کو سوسائٹی کا ایک فوری جلسہ بلایا گیا جس میں تعزیتی قرارداد کی منظوری کے بعد جناب شنکر پرشاد صاحب چیف کمشنر سوسائٹی کے نئے صدر چنے گئے۔

چوکھنڈی کی تعمیر کا کام غالب کے یومِ وفات 15 فروری 1955 سے پہلے ختم ہوگیا اور اس کے افتتاح کی رسم اسی دن ادا ہوئی۔ اچھے خاصے پیمانے پر ایک جلسہ چونسٹھ کھمبا کے کھلے مشرقی میدان میں ہوا۔ اس جلسے میں نظمیں پڑھی گئیں اور دو تین تقریریں بھی ہوئیں۔

غالب کی قبر پہلے اس ہڑواڑ میں تھی جو ان کے خسر نواب الٰہی بخش خان معروف کے خاندان کی ملکیت ہے۔ اتفاق سے یہ قبر ہڑواڑ کے احاطے کے مغربی دیوار کے پاس تھی۔ اس لیے اسے قبرستان سے الگ کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ سوسائٹی نے مزید احتیاط سے کام

لیا اور نواب صاحب لوہارو سے اسے الگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ موصوف نے نہ صرف اجازت ہی دے دی بلکہ 501 روپے کا عطیہ بھی عنایت فرمایا۔ غالب کے بالکل برابر میں مشرقی جانب ان کی بیوی امراؤ بیگم کی قبر ہے۔ چنانچہ ان دونوں قبروں کو احاطے کی دوسری قبروں سے علیحدہ کرنے میں کوئی الجھن نہیں ہوئی۔ ایک دیوار احاطے کے بیچوں بیچ شمال سے جنوب تک کھینچ دی گئی جس سے بقیہ احاطہ بھی جوں کا توں قائم رہا اور یہ دونوں قبریں بھی الگ ہو گئیں۔ البتہ غالب کی پائینتی کی طرف میرزا زین العابدین خان عارف کی قبر سوسائٹی نے اس طرف نہیں لی اور اسے بدستور پہلے احاطے ہی میں چھوڑ دیا۔

اب ایک اور مشکل پیش آئی۔ اس سے پہلے قبرستان کے احاطے کا دروازہ شمالی سڑک پر تھا جس سے آنے جانے والے اندر داخل ہو سکتے تھے لیکن جب غالب کی قبر الگ ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اب اس کے لیے پرانا دروازہ استعمال نہیں ہو سکتا تھا اور مزارِ غالب کے نئے احاطے کی سڑک والی مختصر دیوار میں کافی جگہ نہیں تھی کہ وہاں ایک اور دروازہ نصب کیا جا سکے جس سے زائرین قبر تک آسانی سے پہنچ سکتے۔ اس کے علاوہ مزار کے ساتھ بھی تو ایک مناسب صحن کا ہونا لازم تھا۔ اس قبر کے مغرب میں ایک مکان تھا۔ پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ اس کے مالک تین اشخاص ہیں۔ ان میں سے دو پاکستان چلے گئے ہیں اور ایک ہنوز دلّی میں مقیم ہیں۔ جو صاحب ابھی تک یہاں تھے، انہوں نے بطیبِ خاطر اس کارِ خیر کے لیے اپنا حصہ سوسائٹی کے حوالے کر دیا۔ بقیہ دونوں مالکوں کا حصہ سوسائٹی نے 8-10-1842 روپے دے کر کسٹوڈین سے خرید لیا۔ سوسائٹی نے اس مکان کے کمرے اور والان مسمار کر کے مزار

کے سامنے ایک کشادہ صحن تیار کر دیا اور پتھر کا فرش لگ گیا۔ یوں سڑک کی طرف کی دیوار میں دروازے کی جگہ بھی نکل آئی۔

سوسائٹی کا ارادہ یہ تھا کہ غالب کے نام پر ایک یادگار ہال بھی تعمیر کیا جائے بلکہ شروع میں تجویز ہی ہال کی تھی چونکہ روپیہ بہت کم جمع ہو سکا اس لیے مجوزین نے مقبرے کی چوکھنڈی ہی پر قناعت کر لی۔ اس وقت ہال پر کم و بیش دو ڈھائی لاکھ روپیہ خرچ ہوتا۔ سوسائٹی کی مالی حالت اتنے کثیر اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اس لیے ہال کا منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سوسائٹی نے جو کچھ جمع کیا تھا اس میں حکومت سے ایک پائی نہیں لی گئی۔ ذیل میں بعض اہم چندہ دینے والوں کی مختصر فہرست دی جاتی ہے۔ اس میں ایک اور بات یاد رہے کہ جو رقم جمع کی گئی وہ بڑی حد تک چھوٹے چھوٹے چندوں پر مشتمل تھی۔

سیٹھ گھنشام داس برلا صاحب، دلّی	15,000/-
شنکر لال خیراتی ٹرسٹ، دلّی	3,000/-
فرسالال مان سنگھ کا صاحب، بھلاورا (راجستھان)	1,000/-
دلّی کلاتھ ملز، دلّی	1,000/-
لالہ یودھ راج صاحب، دلّی	1,000/-
نواب صاحب لوہارو، جے پور	501/-
لالہ بھرت رام صاحب، دلّی	500/-
لالہ چرت رام صاحب، دلّی	500/-
شیوراج بہادر صاحب، دلّی	500/-
رام ناتھ چٹیار صاحب	500/-

پی سنگھانیا صاحب، کانپور	500/-
ایل ایم جتانے صاحب	500/-
ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر صاحب، دلی	500/-
نواب صاحب پالن پور	500/-
بیگم صاحبہ پٹودی، دلی	200/-
آرائین ہکسر صاحب، دلی	200/-
شیام نندن سہائے صاحب	151/-
رائے اماناتھ بالی صاحب، لکھنؤ	101/-
ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، دلی	100/-
پروفیسر محمد حبیب صاحب، علی گڑھ	100/-
جناب سلطانہ آصف فیضی صاحبہ، بمبئی	100/-
جناب آصف علی اصغر فیضی صاحب، بمبئی	100/-
سجاد مرزا صاحب، حیدرآباد	100/-
برج نارائن صاحب، دلی	100/-
مہارانی صاحبہ، جہانگیر آباد	100/-
ہری چرن داس صاحب	100/-

دنیائے علم وادب ان سب اصحاب کی شکر گزار رہے گی کہ انہوں نے اس اہم قومی کام کی تکمیل کا سامان بہم پہنچایا۔"

(فسانۂ غالب، ص:177 تا 183)

مالک رام (ف: 1993) کے مذکورہ بالا مضمون کو نقل کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ اخبارات اور عوام الناس کے ذریعے پھیلی دو خبروں:

۱— مزار غالب گورنمنٹ کے فنڈ سے ازسرِنو تعمیر ہوا

۲- مزار غالب کو فلم مرزا غالب بنانے والے سہراب مودی (ف: 28 جنوری 1984) نے تعمیر کرایا۔[۱۵]

کا حقائق و تفصیلات کے ساتھ رد ہو جائے۔

مئی 1984 میں ایک اور "غالب[۱۶] سوسائٹی" تشکیل دی گئی جس نے مزار غالب کے اردگرد پھیلے تعفن، گندگی کو دور کرنے اور دُکانداروں و خوانچہ فروشوں کے قبضوں سے اس جگہ کو آزاد کرانے میں قانونی چارہ جوئی کی اور کامیابی حاصل کی۔

مزارِ غالب کی تعمیر تب سے آج تک اسی نہج پر ہے۔ 2003 میں مسٹر جگموہن (جو ان دنوں کلچر اینڈ ٹورزم کے منسٹر تھے) نے مزار غالب کا صحن از سر نو بنوایا اور غالب کی اہلیہ کی قبر پر جالیاں لگوائیں۔

28 ستمبر 2005 کو حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ نے اسے اپنے نوٹیفکیشن نمبر فی 1423(E) کے ذریعے قومی اثاثہ میں شامل کر کے اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

☆☆☆

غالب اکیڈمی دہلی کا قیام

غالب سوسائٹی کے پہلے (1917 تا 1934) دوسرے (1935 تا 1952) اور تیسرے (1953) مرحلے میں غالب کے نام پر ایک مناسب ادبی یادگار (میموریل) ہال وغیرہ تعمیر کرنے کا منصوبہ زیر عمل نہیں آسکا۔ یہ کام تن تنہا ایک فرد نے اپنے مصارف سے انجام دیا، اس فرد کو دنیا حکیم عبدالحمید (ف:1999) کے نام سے جانتی ہے۔

حکیم صاحب نے غالب اکیڈمی قائم کرکے نواب مردان علی خاں رعنا (یادگار قائم کرنے کی پہلی تجویز مارچ 1869)، مولانا محمد علی جوہر (غالب میموریل کی تجویز 17 جون 1911)، خواجہ حسن نظامی (15 فروری 1936 غالب ہال کی تجویز)، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر سرشانتی سروپ بھٹناگر (غالب میموریل ہال کی تجویز 17 جنوری 1953) کے خوابوں، منصوبوں اور ارمانوں کو ایک ہی مقام پر ایک ہی بار میں پورا کرنے کا اقدام کیا۔

ڈاکٹر عقیل احمد، سکریٹری غالب اکیڈمی نے اس اکیڈمی کے قیام کے بارے میں بعض تفصیلات اپنے مضمون ”غالب اکیڈمی: ایک تعارف“ میں دی ہیں۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے:

> ”ہندوستان کے عظیم شاعر مرزا اسداللہ خاں صاحب کی یادگار قائم رکھنے کے لیے بیسویں صدی کے وسط میں حکیم عبدالحمید نے غالب

اکیڈمی کے نام سے ایک سوسائٹی تشکیل کی، جس میں کرنل بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، قاضی عبدالودود، مالک رام، کنور مہندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد فاروقی، پرتھوی چند، گوپی ناتھ امن، خواجہ غلام السیدین، محمد مجیب، ہمایوں کبیر، تار کیشوری سنہا اور وی کے کرشنا مینن وغیرہ شامل ہوئے۔ سوسائٹی کا رجسٹرڈ آفس ہمدرد منزل لال کنواں، دہلی -٦ میں قائم ہوا۔ سوسائٹی کے صدر جناب حکیم عبدالحمید صاحب نے مزارِ غالب واقع بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی سے ملحق دو قطعہ آراضی نو سو دس (910) اسکوائر یارڈ پر مشتمل پلاٹ خرید کر کے غالب اکیڈمی کی عمارت تعمیر کرائی جس کا افتتاح غالب صدی کے موقع پر 22 فروری 1969 کو اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند جناب ڈاکٹر ذاکر حسین (مرحوم) نے کیا (تھا)۔'' (جہانِ غالب دہلی، ج1، شمارہ1، 2006)

غالب اکیڈمی کی حسب ذیل خصوصیات ہیں:

1۔ غالب میوزیم

غالب نے جن مکانوں میں رہائش اختیار کی، ان کے فوٹو

غالب کی مرغوب غذاؤں کے مصنوعی نمونے

غالب کے لباس کے نمونے

غالب اور غالب کی غزلیں، گانے والی ڈومنی کا مجسمہ

عہدِ غالب کے سکے

عہدِ غالب کے ڈاک ٹکٹ

غالب کی مہریں اور تحریر کے نمونے

غالب کے اشعار پر مبنی معروف فنکار ایم ایف حسین، ستیش گجرال اور انیس فاروقی

وغیرہ کی پینٹنگز اور برجندر سیال کے سنگ ریزے

2۔غالب اکیڈمی لائبریری

غالب اور عہد غالب پر کتب ورسائل کا کلیکشن

غالب پر اخبارات ورسائل میں مطبوعہ مضامین کے تراشے۔اس سلسلے کی تقریباً 200 فائلیں لائبریری میں محفوظ ہیں۔

3۔غالب اکیڈمی آڈیٹوریم

غالب سے متعلق جملہ پروگرام اسی میں ہوتے ہیں۔یوم پیدائش اور یوم وفات پر سالانہ سیمینار کے علاوہ غالب کی یاد میں غالب خطبات کا اہتمام بھی اسی میں کیا جاتا ہے۔

4۔غالب اکیڈمی نشرواشاعت

غالب پر اہم کتب کی اشاعت

''جہانِ غالب'' (اجرا 2006) کے نام سے ششماہی رسالے کی اشاعت

☆☆☆

حواشی

۱ درگاہ حضرت سلطان نظام الدین، بستی نظام الدین میں واقع ہے۔ اس بستی کا قدیم نام "غیاث پور" ہے جہاں حضرت محبوب الٰہی نے قیام فرما کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ حضرت کا وصال 725 ہجری (1324ء) میں ہوا تھا۔ وفات کے وقت ایک مسجد کا پتا چلتا ہے جو "جماعت خانہ" کے نام سے موسوم تھی۔ اسے حضرت کی زندگی میں خضر خاں ابن علاؤالدین خلجی نے تعمیر کرایا تھا۔ بعد میں تعمیر و توسیع کا سلسلہ جاری رہا۔

۲ بائیں مزار لکھنا غلط ہے۔ متصل مزار یا خسر کی داہنی جانب لکھنا مناسب تھا۔

۳ اہل سنت کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ مرزا کی شیعیت کسی سے مخفی نہ تھی۔ وہ علی الاعلان شیعہ اثنا عشری تھے۔

۴ تلمیذ غالب میر مہدی مجروحؔ (1903-1833)

۵ یہ ایک وسیع ہال ہے جس میں چونسٹھ ستون (کھمبے) ہیں۔ اسی لیے عرف عام میں چونسٹھ کھمبا کہلاتا ہے۔ اس کی جنوب کی دیوار مرزا کے قبرستان باغیچی انار کلی سے ملتی ہے۔

۶ "باغیچی انار کلی" کے بارے میں خواجہ حسن ثانی نظامی نے اپنے ایک مضمون "غالب کے زمانے کی بستی حضرت نظام الدین" میں لکھا ہے:

"غالب تعمیرات کے جس... جنگل میں آرام فرما ہیں، یہاں کا منظر ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ غالب کی زندگی میں اور پھر دفن کے وقت تک یہ جگہ ایک باغ کی شکل میں تھی جس کے مشرق میں نہر بہتی تھی اور باغ کو شاید نیا نویلا ہونے کے سبب 'باغیچی انار کلی' جیسا شاعرانہ نام دیا گیا تھا..." (جہان غالب دہلی، ج 1، ش 1، 2006)

۷ دادا جان سے مراد غالباً نواب الٰہی بخش خاں معروف (ف: 1827) ہیں۔ سائل کا سلسلہ نسب معروف تک اس طور پہنچتا ہے۔ سائل بن شہاب الدین خاں ثاقبؔ بن نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر درخشاں بن نواب احمد بخش خاں برادر نواب الٰہی بخش خاں معروف۔

۸۔ محمد حیات خاں کا ذکر رامپور کے بزرگوں کے تذکروں میں نہیں ملا۔ قبر کا نشان بھی معدوم ہو چکا ہے۔

۹۔ محمد نظام الدین کے کوائف بھی دستیاب نہیں ہوئے۔

۱۰۔ ہڑواڑ ہندی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے وہ جگہ جہاں اپنے کنبہ کے لوگ دفن ہوتے ہیں یعنی خاندانی قبرستان۔

۱۱۔ حریم، اصل میں کعبہ کی چہار دیواری کے لیے ہی مستعمل ہوتا رہا ہے لیکن کسی عمارت کی چہار دیواری اور احاطہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

۱۲۔ کوکہ یا کوکلتاش دودھ شریک یا رضاعی بھائی کو کہتے ہیں۔ یہ اکبر کی انا کے بیٹے تھے۔ چونسٹھ کھمبوں پر مشتمل ہال غالباً مرزا عزیز ہی کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ مقبرے میں گیارہ قبریں ہیں۔ دوہرے چبوترے پر سنگ مرمر کے تعویذ کی قبر مرزا عزیز کوکلتاش کی ہے۔ انہیں قبروں میں مرزا عزیز کے والد اتگہ خاں اور عزیز کی بیوی کی بھی قبر ہے۔ تاریخوں میں مرزا عزیز کوکلتاش "خان اعظم" کے خطاب سے مذکور ہوئے ہیں۔ چونسٹھ کھمبا یا مرزا عزیز کا مقبرہ دونوں ناموں سے یہ عمارت معروف ہے۔

۱۳۔ حکیم محمد واصل خاں (ف: 1903) ابن حکیم محمود خاں دہلوی۔

۱۴۔ حکیم عبدالحمید (14 ستمبر 1908 — 22 جولائی 1999) بیسویں صدی کے عظیم انسانوں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے 1935 میں "غالب سوسائٹی" کی تشکیل میں حصہ لیا اور مزار غالب سے متصل زمین خرید کر غالب کی ایک مستقل یادگار غالب اکیڈمی (1969) کی تعمیر کرائی۔ جس میں لائبریری اور میوزیم کے علاوہ ایک آڈیٹوریم بھی ہے۔

۱۵۔ جون 1935 کے ہمایوں لاہور میں غالب سوسائٹی کے قیام سے متعلق ایک خبر شائع ہوئی تھی جسے آئندہ سطور میں درج کیا جائے گا۔

۱۶۔ یہ مکان تین اشخاص کی ملکیت تھا جس میں سے ایک فرد نے اپنا حصہ غالب سوسائٹی (1953) کی نذر کر دیا اور دو لوگوں کے حصے کسٹوڈین سے خرید کر مزار کے صحن کو وسعت دے دی گئی۔

۱۷۔ حامد علی خاں (ولادت: 16 دسمبر 1861 بریلی — وفات: لکھنؤ 11 ستمبر 1918) مزار غالب کی تعمیر و مرمت میں انہوں نے دامے درمے قدمے حصہ لیا جس کی تفصیل سطور آئندہ میں آرہی ہے۔ شاعری سے بھی شغف تھا۔ حامد تخلص کرتے تھے۔ خم خانہ جاوید جلد 2 میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔

۱۸۔ مولانا محمد حسین آزاد (ف: 1910) نے بھی فارسی میں ایک قطعہ وفات کہا ہے جس میں اسی ترکیب

سے غالب کا سال وفات برآمد کیا ہے:

چو جستم ز دل سال تاریخ فوت برآمد صدا، آہ غالب بمرد

۱۲۸۵ھ

۱۹ دیکھیے کلیات سالک، دہلی۔ 1880ء

۲۰ صحیح: مغربی دیوار۔

۲۱ خواجہ حسن نظامی (25 دسمبر 1878 — 31 جولائی 1955) نے مزار غالب کی تعمیر و مرمت میں بساط بھر حصہ لیا۔ اس سلسلے کے ان کے چار بیانات ملتے ہیں:

پہلا بیان 1905 کا ہے جو زیر نظر ہے۔

دوسرا بیان 15 فروری 1936 کو لکھے گئے ایک مضمون بہ عنوان "غالب سوسائٹی اور غالب ڈے کا تعارف" میں ملتا ہے جو سطور آئندہ میں نقل کیا گیا ہے۔

تیسرا بیان 16 فروری 1936 کو ایک ریڈیو ٹاک بہ عنوان "غالب کا حلیہ" میں ملتا ہے۔ سطور آئندہ میں یہ بھی زیر گفتگو آیا ہے۔

چوتھا بیان وہ اپیل ہے جو ماہنامہ ہمایوں لاہور میں "غالب اور ذوق کی قبریں" کے عنوان سے شائع ہوئی (اپریل 1936) اس اپیل کا اقتباس بھی گذشتہ اوراق میں نقل ہوا ہے۔

ان مذکورہ بیانات اور ان کی صراحتوں پر مشتمل ایک طویل مقالہ راقم الحروف نے بہ عنوان "خواجہ حسن نظامی اور غالب" لکھا تھا جو سہ ماہی غالب نامہ دہلی جولائی 2006 میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۲ اس دیوار کا کچھ شکستہ حصہ اُس تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں شکیل بدایونی (ف: 1970) مزار غالب پر چادر پوشی کر رہے ہیں۔ یہ دیوار دراصل بیگم حکیم محمد واصل خاں کے اس ذاتی مکان کی دیوار تھی جو انھوں نے 1935 میں غالب سوسائٹی کی نذر کر دیا تھا۔

۲۳ نیرنگ سے مراد میر غلام بھیک نیرنگ (1876 - 1952) ہیں جو اقبال کو الوداع کہنے کے لیے لاہور سے اقبال ہی کے ساتھ دہلی تک آئے تھے۔ اقبال نے واقعی اس حاضری کا بڑا اثر لیا تھا۔ دہلی سے روانہ ہو کر اقبال جب عدن پہنچے تو انھوں نے 12 ستمبر 1905 کو عدن ہی سے اخبار وطن لاہور کے مدیر انشاء اللہ خاں (ف: 1928) کو ایک طویل خط لکھا جس کا آغاز دہلی میں محبوب الٰہی کی درگاہ اور مزار غالب کی حاضری کی روداد سے کیا۔ (دیکھیے کلیات مکاتیب اقبال، ج 1، ص: 96-95)

۲۴ 1911 میں جب حامد علی خاں مزار غالب پر حاضر ہوئے تب یہ پتھر ٹوٹ چکا تھا۔

۲۵ یہ نظر کا دھوکا معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہ پتھر ٹوٹ چکا تھا۔ رشکِ عرفی و فخرِ غالب مرد انغ شعر الگ دکھائی دیتا ہوگا اور مجروح کا قطعہ الگ۔ واللہ اعلم۔

۲۶ نادم سیتاپوری نے 1950 میں مستقلاً جامعہ نگر دہلی میں رہنے کا اس مضمون میں تذکرہ کیا ہے۔ اسی سے ہم نے تخمیناً 1919 یا 1920 سنہ طے کیا ہے۔

۲۷ بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے — نے پرِ پروانہ سوزد، نے صدائے بلبلے

(یہ شعر اپنی بے بسی اور غربت کے اندوہناک اظہار کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہم غریبوں کے مزار پر نہ تو کوئی چراغ ہی روشن کرتا ہے اور نہ ہی کوئی پھول چڑھاتا ہے اس لیے ہمارے مزار پر نہ تو پروانہ ہی آ کر اپنے پر جلاتا ہے اور نہ ہی بلبل اپنے پر سوز نغمے سناتی ہے)

عام طور پر یہ شعر ملکہ نور جہاں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ شعر تجلی کاشانی کا ہے۔ شعر کی اصل شکل یہ ہے:

بر مزارِ ما شہیداں نے چراغے نے گلے — ہر طرف پروانہ اے، در طوف و ہر سو بلبلے

(آوارہ گرد اشعار، ص: 7)

۲۸ گیٹے یا گوئٹے (Goethe) جرمن کا عظیم ناقد و شاعر (1832 - 1749) ویمر (Weimer) میں رہتا تھا، وہیں فوت ہوا۔ اقبال اس شاعر سے بہت متاثر تھے۔ نظم ''غالب'' کے آخری شعر میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

۲۹ یہ شاعر نہیں تھے۔ غالب نے ایک فارسی خط بنام شیفتہ مشمولہ ''پنج آہنگ'' میں علی بخش خاں کے جے پور سے بحالت بیماری دہلی آنے کا تذکرہ لفظ رنجور کے ساتھ کیا تھا۔ جے پور کی رعایت سے رنجور کا لفظ برائے قافیہ تھا۔ غالب نے لکھا تھا: ''برادر بجان علی بخش خاں رنجور از جے پور آمدہ۔'' اسی عبارت کی بنیاد پر انہیں شاعر لکھا جانے لگا۔ قاضی عبدالودود نے سب سے پہلے اس کی تردید کی۔ انہوں نے لکھا:

''اس بات کا کہ وہ شاعر تھے اور رنجور تخلص کرتے تھے، کوئی ثبوت موجود نہیں۔'' (جہانِ غالب، ص: 81)

۳۰ غالب کی یادگار کے قیام کے سلسلے میں پہلی تجویز غالب کے شاگرد نواب محمد مردان علی خاں رعنا (ف: 1879) نے پیش کی تھی، ان کا خیال تھا کہ یادگار خالص ادبی یعنی ایک کتاب کی صورت میں ہو۔ یہ تجویز اودھ اخبار لکھنؤ (23 مارچ 1869) میں شائع ہوئی تھی۔

۳۱ اس سلسلے کی جملہ تفصیل مالک رام کے مضمون ''غالب سوسائٹی'' مشمولہ فسانۂ غالب (دہلی 1977) میں

دیکھی جاسکتی ہے۔

۳۲ پانیر کے اس صفحے کا عکس تری مورتی میوزیم دہلی سے سید آفتاب علی (بریلی) نے فراہم کیا۔ ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

۳۳ مسلم ریویو ڈیمائی سائز کے تقریباً 75 صفحات پر بہ زبان انگریزی شائع ہوتا تھا۔ یہ شیعہ مسلک کا ترجمان تھا اور مدرسۃ الواعظین کی جانب سے طبع ہوتا تھا۔ مزید معلومات نہیں مل سکی۔

۳۴ مراد مدیر مسلم ریویو۔

۳۵ کلو جس کا اصل نام کالے خاں تھا۔ مرزا کا خاص ملازم تھا۔ غالب کے ملازمین کے عملے کا سربراہ تھا اس لیے غالب اسے اکثر کلو داروغہ بھی لکھا کرتے۔ غالب کے خطوط میں کم وبیش 19 مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ قیاساً 20 یا 22 سال کی عمر میں یہ مرزا کا ملازم ہوا ہوگا۔ کالی داس گپتا رضا نے اس کی ولادت کا سنہ 1830 اور وفات کا سنہ 1920 قرار دیا ہے۔ اس طور یہ مرزا کی وفات کے بعد 51 سال تک زندہ رہا ہوگا۔ (ملاحظہ کریں غالب کا ملازم خاص کلو داروغہ، مشمولہ غالبیات چند عنوانات، بمبئی 1982)

۳۶ یہ نظر کا دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔

۳۷ اس پر سطور گزشتہ میں اظہار خیال کیا جاچکا ہے۔

۳۸ سید معین الدین شاہجہانپوری نظامی بدایونی کے دوستوں میں تھے۔ 1896 میں جب وہ گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں میں تبادلہ ہوکر آئے تو نظامی کے گھر پر ہی قیام پذیر رہے۔ ذی علم آدمی تھے۔ ترجمہ نگاری میں کمال حاصل تھا۔ متعدد کتب یادگار ہیں جن میں ترجمہ لائف آف نپولین اور اورنگ زیب قابل ذکر ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کے لیے انہوں نے دیوان غالب (1915) اور دیوان درد (1923) کا نسخہ مرتب و مدون کیا۔ اسی پریس کی ایک آنہ لائبریری سلسلے کے تحت بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں بھی لکھیں۔ 1937 میں وفات پائی۔

۳۹ باوجود اس کے کہ غالب کا مزار ویران و شکستہ تھا مگر اس کی عظمت ذہنوں کو مسحور کیے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ اقبال نے زیارت مزار غالب کو اپنے خط میں لکھ دیا کہ "شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔" (کلیات مکاتیب اقبال، ج 1، ص: 96)

۴۰ عزیز مرزا، مولوی محمد، ہوم سکریٹری حیدرآباد (ف: 1912)۔

۴۱ سعادت علی صدیقی کے ترجمے میں رقوم کی میزان میں دس روپے کا فرق ہے۔ (ص: 361) علاوہ ازیں

بذریعہ چیک ارسال کی گئی رقوم (50+50+105=205) محسوب نہیں کی گئیں۔ (ص: 358) 2 دسمبر کے مضمون میں مذکورہ رقم 100 روپے بھی میزان میں شامل نہیں ہوسکی ہے۔ اس طور موصول شدہ رقم مالک رام (فسانۂ غالب، ص: 176) اور ایم حبیب خان (ہماری زبان، 22 ستمبر 1996) کے بیانات کے مطابق 677 کے بجائے 872 تھی۔

۴۲ گمان ہے کہ یہ نواب نصراللہ خاں صدر محاسب سرکار حیدرآباد رہے ہوں گے۔ ان کا ذکر آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

۴۳ صحیح شعر اس طرح ہے:

واعظ، نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو   کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

(دیوان غالب نسخۂ عرشی، ص: 324)

۴۴ چندے کی تحریک کامریڈ میں انھیں دنوں کی گئی تھی جب وہ کلکتہ سے نکلتا تھا۔ جیسا کہ سطور گذشتہ میں کامریڈ کے حوالے سے مولانا جوہر کے مضامین درج کیے گئے۔

۴۵ صحیح سنہ 1911 ہے۔

۴۶ یہاں دراصل کامریڈ کے ذکر کا محل تھا۔

۴۷ میر مستحسن خلیق دہلوی ان کا ترجمہ خم خانہ جاوید میں شامل ہے۔ سالِ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

۴۸ یہاں دراصل علامتی رقم درج تھی۔

۴۹ راس مسعود (1937 - 1889) غالب کے پرستاروں میں تھے۔ انھی کے ایما و تعاون پر نظامی پریس بدایوں نے پے بہ پے دیوان غالب کے چھ ایڈیشن (1915 تا 1927) شائع کیے۔

۵۰ ڈیش...والی خالی جگہ کی عبارتیں کاغذ کے شکستہ ہوجانے کے سبب پڑھنے میں نہیں آسکیں۔

۵۱ ملا واحدی، سید محمد ارتضیٰ (1976 - 1888)۔

۵۲ غالباً یہ میرزا سعیدالدین احمد خاں طالب دہلوی (1919 - 1852) ہیں۔

۵۳ خلیقی دہلوی، ان کا مکمل نام اور سالِ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

۵۴ 872 روپے کی وصولیابی کی اطلاع کامریڈ میں دی جاچکی تھی۔ غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے۔ 81 روپے کا چندہ ادیب الٰہ آباد کے توسط سے ہوا۔ اس طور معلوم چندہ کل 953 روپے ہوا۔

۵۵ 50 روپے کی قیمت 1917 میں تقریباً آج سے چالیس گنا یعنی 2000 روپے ہوگی۔ 1911 میں ہی حامد علی خاں کامریڈ کے غالب فنڈ میں 30 روپے جمع کرا چکے تھے۔

۵۶ یہ غالباً کامریڈ میں شائع مضامین اور رسیدوں کا ذکر ہے۔ ہمدرد کا نام سہواً درج ہوگیا ہے۔

۵۷ سری رام دہلوی، لالہ (1936 - 1875) مصنف تذکرہ خم خانہ جاوید۔

۵۸ 1- پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی (1955 - 1866) مولانا حالی کے شاگرد تھے۔

2- خواجہ حسن نظامی دہلوی (1955 - 1878)۔

3- لالہ دیش بندھو گپتا (1951 - 1900) ڈائریکٹر اخبار "تیج" دہلی۔

4- حکیم عبدالحمید (1999 - 1908)۔

5- عشرت رحمانی (1992 - 1910)۔

6- آصف علی بیرسٹر دہلوی (1953 - 1888)۔

7- ملا واحدی (1976 - 1888) مصنف وصحافی۔

8- پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی (1942 - 1863)۔

۵۹ یہ زمین بقول خواجہ حسن ثانی نظامی، سید نقی اور تقی نامی دو بھائی پیرزادگانِ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کی ملکیت تھی۔ حکیم صاحب نے 1930 میں یہ اُن کے وارثان سے خریدی تھی۔ (جہانِ غالب دہلی، ج 1، ش 1، 2006)

۶۰ یہ عبارت پڑھنے میں نہیں آسکی۔

۶۱ 15-16 فروری 1936 کو عربک کالج دہلی میں غالب ڈے منایا گیا۔ 15 فروری کو غالب کی چونسٹھویں سالانہ برسی کا جلسہ زیر صدارت سر گرجا شنکر باجپائی شروع ہوا، جنہوں نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ معزز مہمانوں میں صدر موصوف کے علاوہ مسز سروجنی نائیڈو (ف: 1949)، شریمتی کملا دیوی، چٹوپادھیائے وغیرہ موجود تھیں۔

16 فروری کو خواجہ عشرت حسین (ف: 1945) پسر اکبر الہ آبادی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا، جس میں مقامی و بیرونی شعرا نے شرکت کی۔ عربک کالج دہلی کا ہال بھرا ہوا تھا۔ 25 ہزار مرد و عورت اس تقریب میں شریک تھے۔ (منادی دہلی، 21-28 فروری 1936، ص: 12)

۶۲ سرورق پر مرزا کا فوٹو ہے۔ غالب کے تعلق سے حسب ذیل مضامین شامل ہیں:

غالب کا حلیہ (ریڈیو تقریر)	خواجہ حسن نظامی
یوم غالب کی نسبت دہلی کے اخباروں کے مضامین	ادارہ
غالب سوسائٹی اور غالب ڈے کا تعارف	خواجہ حسن نظامی
غالب ڈے کی نسبت مشاہیر ہند کے پیغامات	ادارہ

۲۳ اس سے قبل اکتوبر 1935 کے ہمایوں لاہور میں شاد عارفی کا ایک مضمون بہ عنوان ''ذوق مرحوم'' مزار ذوق کی خستہ حالی پر چھپا تھا۔ اس مضمون میں صرف ایک جملے میں مزار غالب کا ذکر آیا ہے۔ وہ جملہ یہ ہے:

''فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ مجھے غالب مرحوم کی قبر پر لے گئے، وہ بھی قابل افسوس حالت میں تھی مگر اس سے کم۔''

۲۴ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ غالب کے شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ (ف:1879) کے نواسے ہیں۔ جب ان کا اردو دیوان ''لاجونتی'' شائع ہوا اور مولوی عبدالحق و خواجہ حسن نظامی نے اس پر اپنے تاثرات رقم کیے اس وقت بھی انہوں نے اس کی تردید نہیں کی۔ لیکن مالک رام نے تلامذہ غالب میں تفتہ کے ترجمے کے حاشیے میں اس کی تغلیط کی ہے اور اس روایت کو غلط محض لکھا ہے۔ (ص:118)

۲۵ خواجہ حسن ثانی نظامی لکھتے ہیں:

''غالب کے مزار کی تعمیر کے حوالے سے جو ہوائیاں اڑتی رہی ہیں اور جن میں سہراب مودی کا نام مالا کی طرح جپا جاتا ہے، وہ سب ہوائیاں ہی ہیں۔ اصلیت کچھ نہیں ہے۔ مودی صاحب کا اس کام میں کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔ اپنی فلم (غالب) کی ریلیز کے وقت وہ مزار پر چادر چڑھانے ضرور آئے تھے۔ مزار غالب کی موجودہ تعمیر اور آس پاس کی زمین کی کسٹوڈین سے بازیابی کا سہرا... سرشانتی سروپ بھٹناگر اور مسٹر اشفاق حسین آف وزارتِ تعلیم وغیرہ کے سر ہے۔''

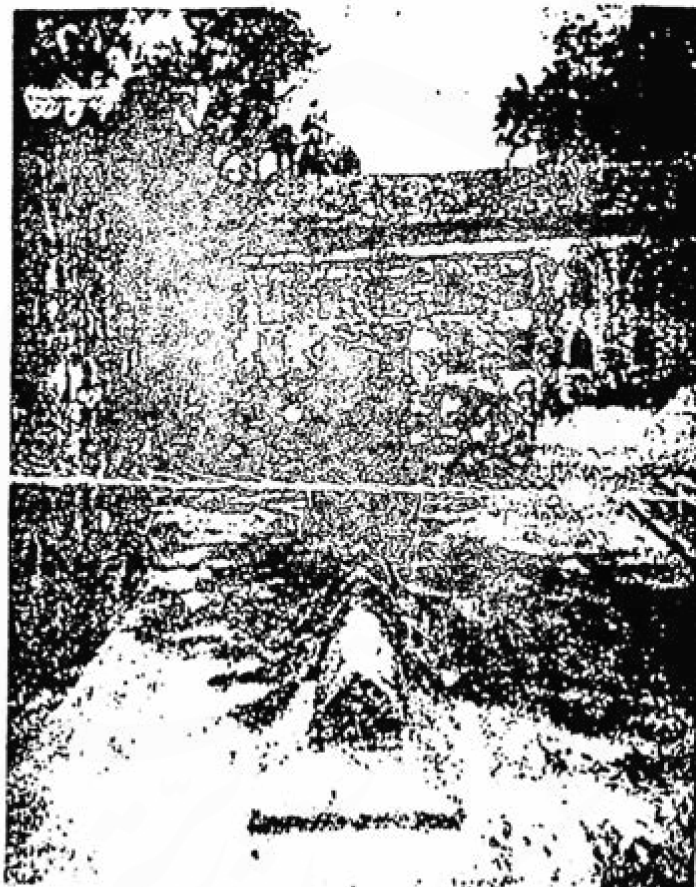
(غالب کے زمانے کی بستی حضرت نظام الدین، جہان غالب دہلی، ش1، 2006)

۲۶ اس ''غالب سوسائٹی'' کے جنرل سکریٹری خلیق انجم ہیں۔ اس سوسائٹی کی کارگزاریوں کے لیے دیکھیے مزارات غالب و ذوق، ص:20 تا 27۔

۲۷ یہ پلاٹ 1930 میں خرید لیا گیا تھا جس کا ذکر سطور گذشتہ میں متعدد جگہ آیا ہے۔

☆☆☆

غالب کا مزار



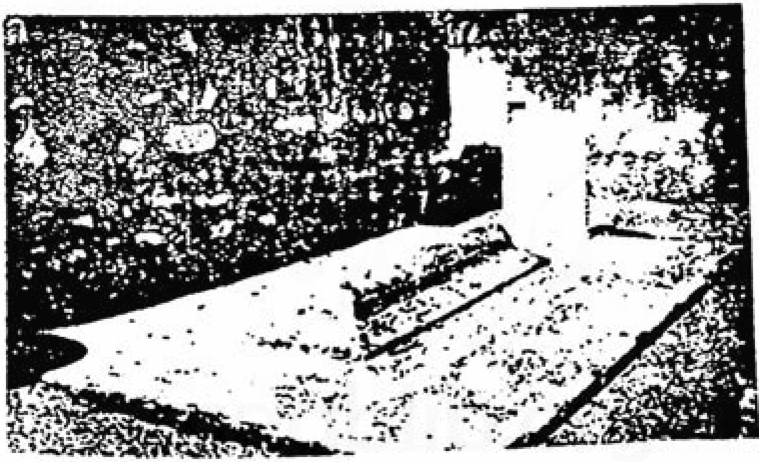
کوکبم را در عدم اوج قبولی بوده است — شهرت شعرم به گیتی بعد من خواهد شدن
مطرب از شعرم به هر بزمی که خواهد زد نوا — جا بجا ابیات جذب پیکر من خواهد شدن
حرف حرفم در مذاق قاصد جا خواهد گرفت — نشستگاه ناز شوخ و برهمن خواهد شدن

(غالب)

ماخذ: ہمایوں (لاہور) جون 1935ء، ص: 44



مدفن مزار غالب



غالب کی قبر

ماخذ: ہمایوں (لاہور) اپریل 1936



قدیم مزار مرزا غالب



مزار غالب

ماخذ: "غالب" از غلام رسول مہر، مطبوعہ لاہور 1936



مزارِ غالب

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(اقبال)

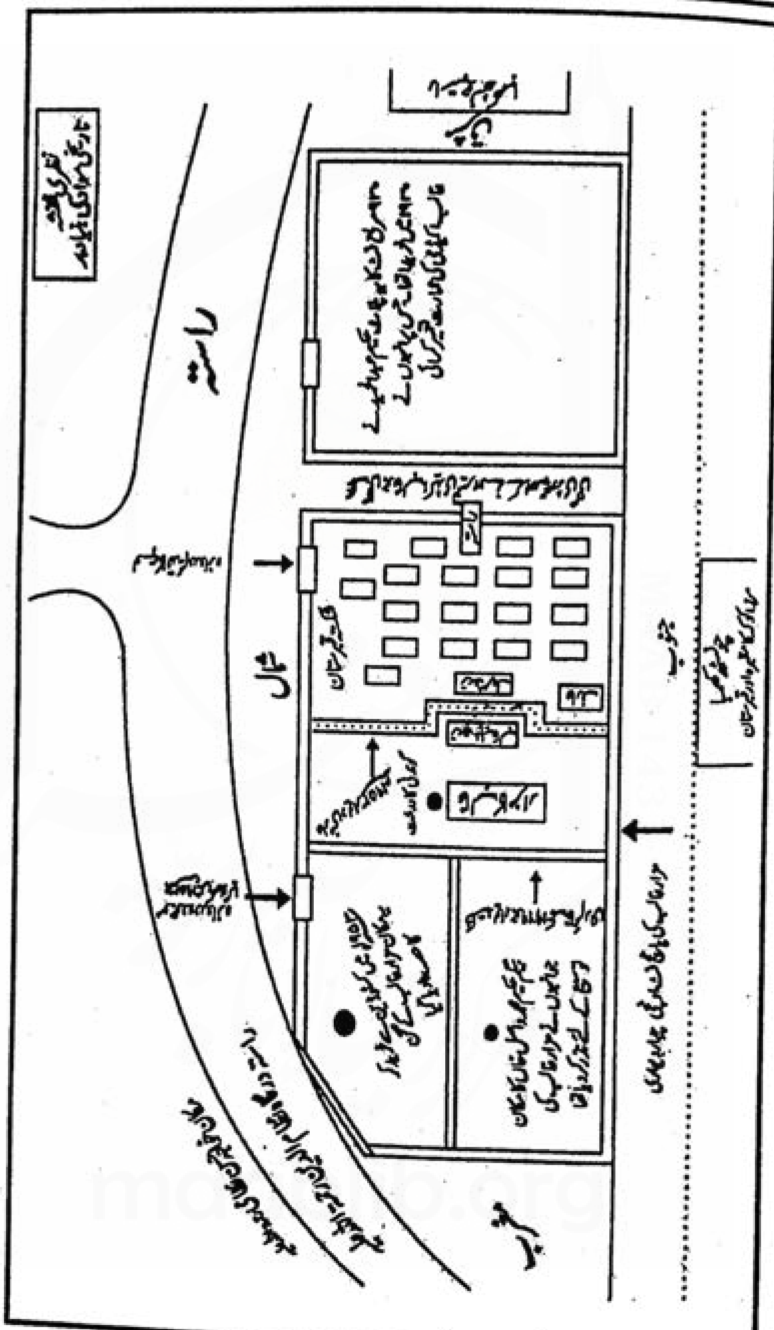
ماخذ: آجکل، دہلی۔

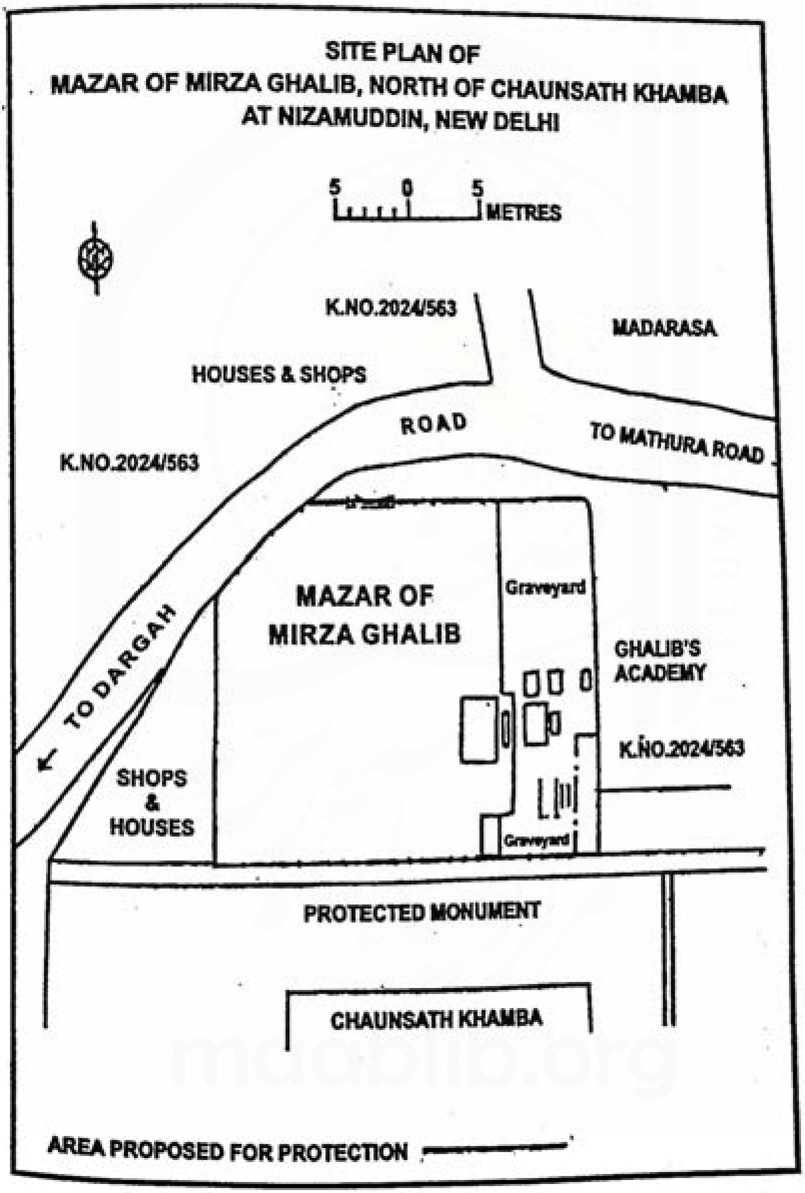
عکس مزار مرزا غالب



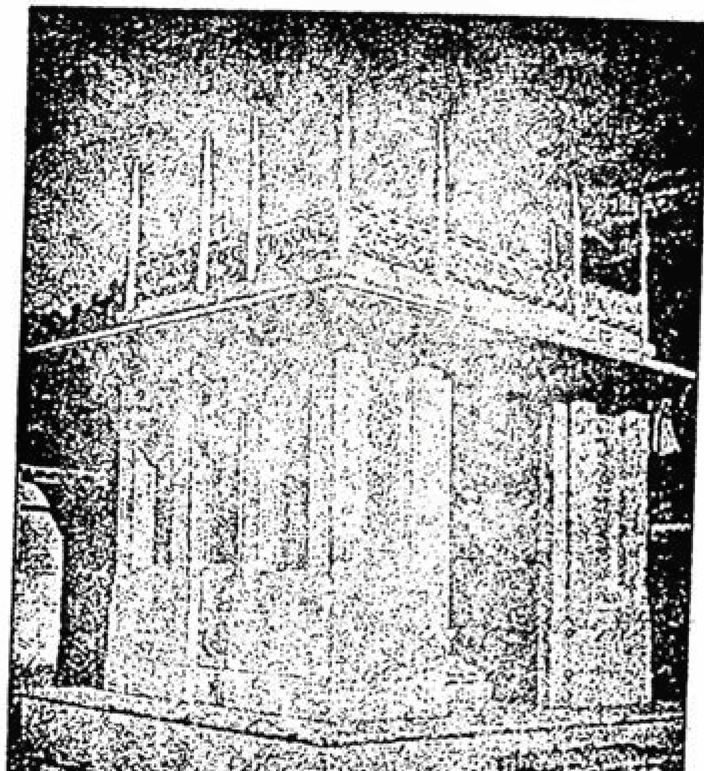
شکیل بدایونی، ہمراہ سوویت فلم ڈائریکٹرز اور جناب فلم ایکٹریس مرزا غالب کے مزار پر پھولوں کی چادر پوشی کرتے ہوئے

ماخذ: مجلّہ بدایوں (کراچی)، اپریل 1996





نقشہ احاطہ مزار غالب، منجانب محکمہ آثار قدیمہ دہلی۔ 2005



مقبرۂ غالب

اشاریہ

کتب

رسائل و اخبارات

☆☆☆

کتابیات

(Bibliography)

کتب

۱ آوارہ گرد اشعار — نواب رحمت اللہ خاں شروانی — خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ — 1995

۲ تذکرہ ماہ و سال — مالک رام — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی — 1984

۳ تلامذہ غالب — مالک رام — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی — 1984

۴ جہان غالب — قاضی عبدالودود — خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ — 1995

۵ چراغ دہلی — مرزا حیرت دہلوی — اردو اکادمی دلّی، دہلی — 1987

۶ خاندان لوہارو کے شعرا — حمیدہ سلطان احمد — غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی — 1981

۷ دیوان غالب — نظامی بدایونی — نظامی پریس، بدایوں — 1920

۸ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی — امتیاز علی خاں عرشی — انجمن ترقی اردو ہند، دہلی — 1982

۹ ذکر غالب — مالک رام — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی — 1950

۱۰ رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت — خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ — 1980

۱۱ غالب — غلام رسول مہر — علمی پرنٹنگ پریس، لاہور — 1944

۱۲ غالب اور عصر غالب — ڈاکٹر محمد ایوب قادری — غضنفر اکیڈمی، کراچی — 1982

۱۳ غالب نامہ — شیخ محمد اکرام — تاج آفس، بمبئی — سنہ ندارد

۱۴ غالب نام آورم — نادم سیتاپوری — سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور — 1970

۱۵ غالبیات: چند عنوانات — کالی داس گپتا رضا — ول پبلی کیشنز، بمبئی — 1982

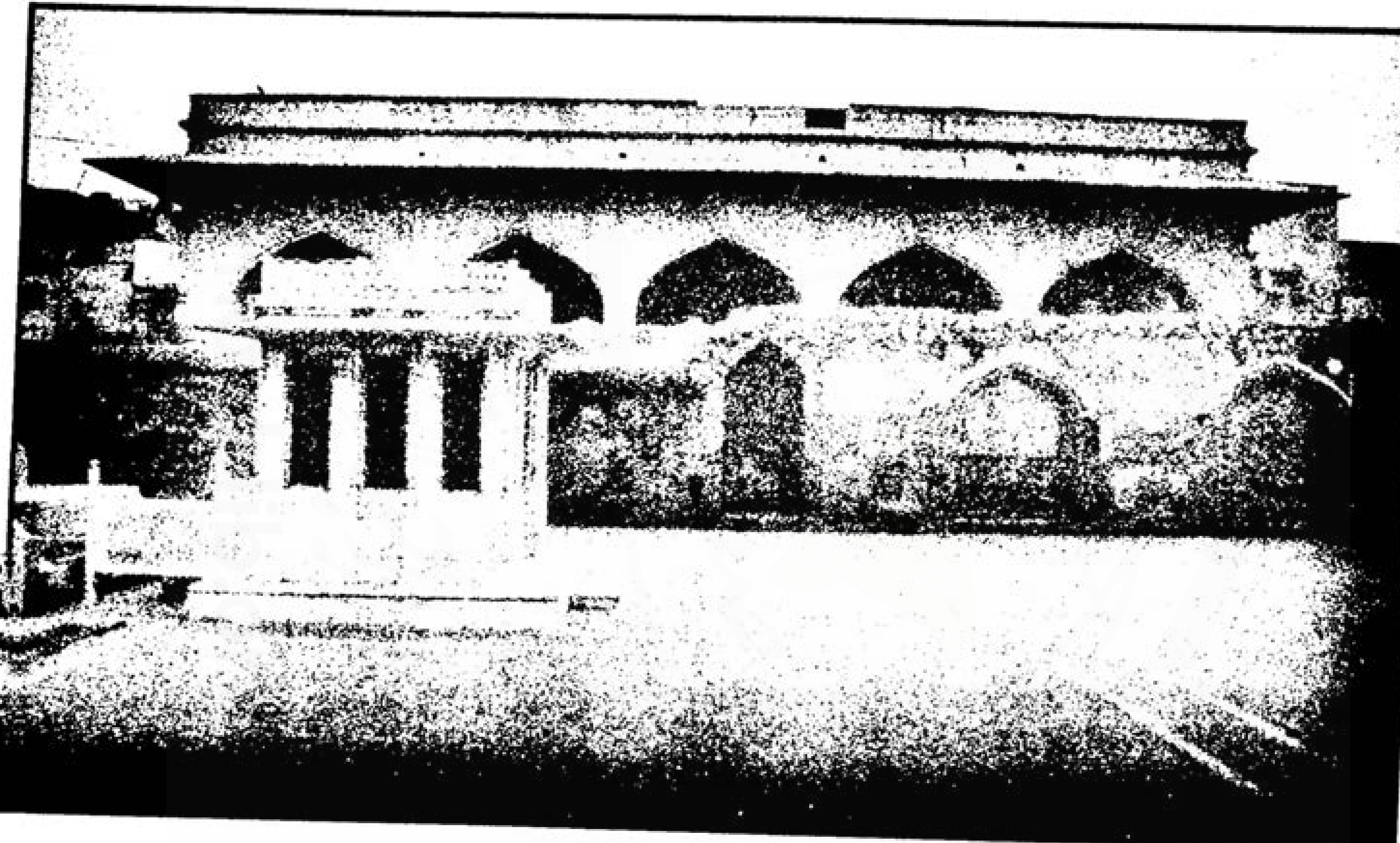
۱۶ فسانہ غالب — مالک رام — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی — 1977

۱۷ قاموس المشاہیر، جلد 2	نظامی بدایونی	خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	2004
۱۸ کلیات مکاتیب اقبال	سید مظفر حسین برنی	اردو اکادمی، دہلی	1999
۱۹ مرثیہ غالب	خواجہ الطاف حسین حالی	نظامی پریس، بدایوں	1927
۲۰ مزارات غالب وذوق	شاہد ماہلی	انجمن ترقی اردو ہند، دہلی	1999
۲۱ واقعات دارالحکومت دہلی، جلد 2	بشیر الدین احمد	اردو اکادمی، دہلی	1995
۲۲ یادگار غالب	خواجہ الطاف حسین حالی	غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی	1996

رسائل واخبارات

۱	آجکل	دہلی	مارچ 1958
۲	ادیب	الٰہ آباد	اگست 1911
۳	اردوئے معلی	دہلی	غالب نمبر حصہ سوم، شمارہ 10، 1969
۴	العلم	کراچی	غالب نمبر جنوری تا جون 1969
۵	پانیر	الٰہ آباد	7 جون 1911
۶	جہان غالب	دہلی	جلد 1، ش: 1، 2006
۷	ذوالقرنین	بدایوں	28 جون 1911، 17 اگست 1916، 14 ستمبر 1916، 28 اپریل 1932
۸	مجلہ بدایوں	کراچی	اپریل 1996
۹	مخزن	لاہور	جنوری 1907
۱۰	مدینہ	بجنور	13 فروری 1953
۱۱	معیار	پٹنہ	مئی 1936
۱۲	معیار	لکھنؤ	مئی 1911، جنوری 1917
۱۳	منادی	دہلی	21 تا 28 فروری 1936
۱۴	ہماری زبان	دہلی	22 ستمبر 1996، یکم اگست 1997
۱۵	ہمایوں	لاہور	جون 1935، مارچ 1936

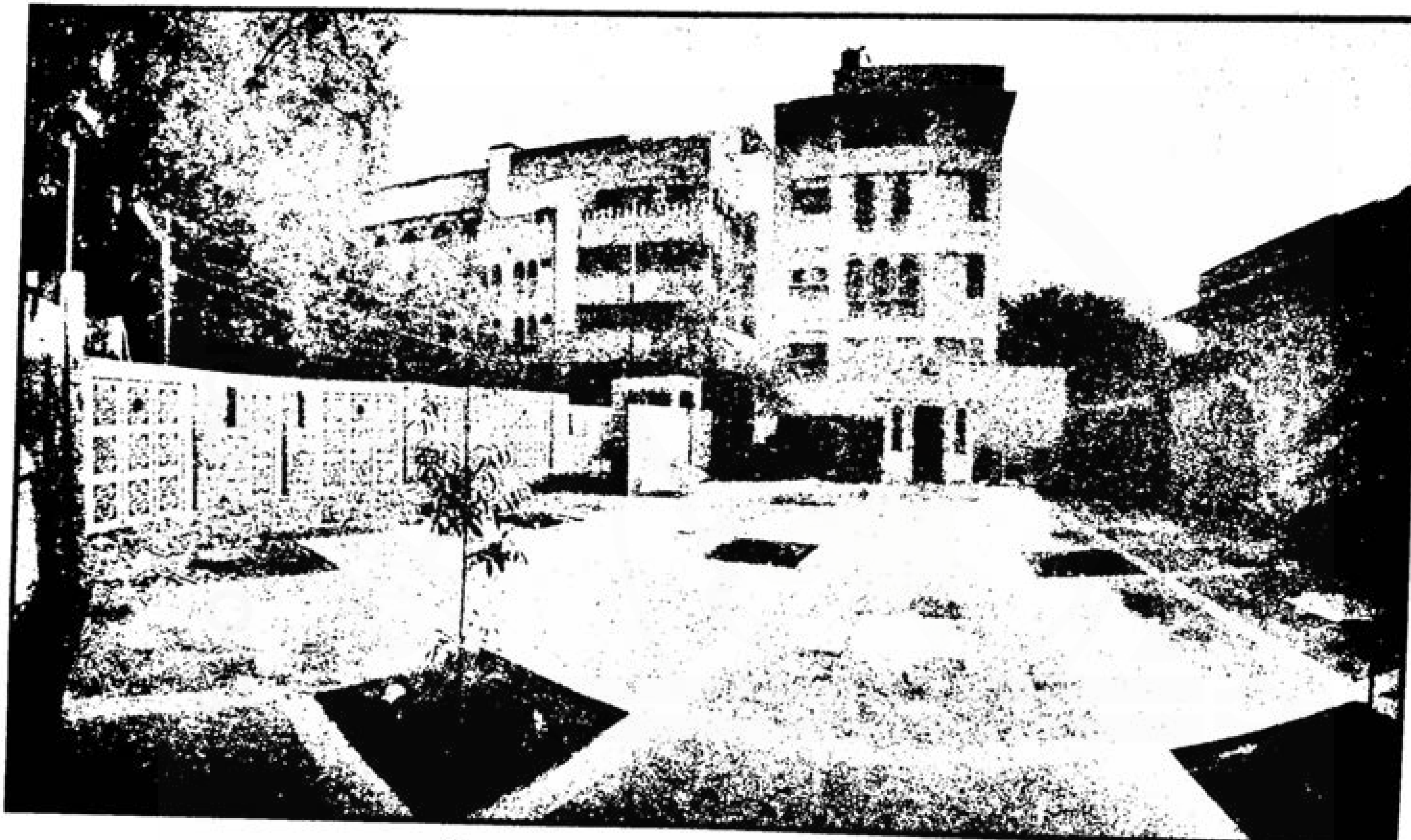
☆☆☆



چونسٹھ کھمبا کے ساتھ مزارِ غالب



مزار غالب کے صحن کا منظر



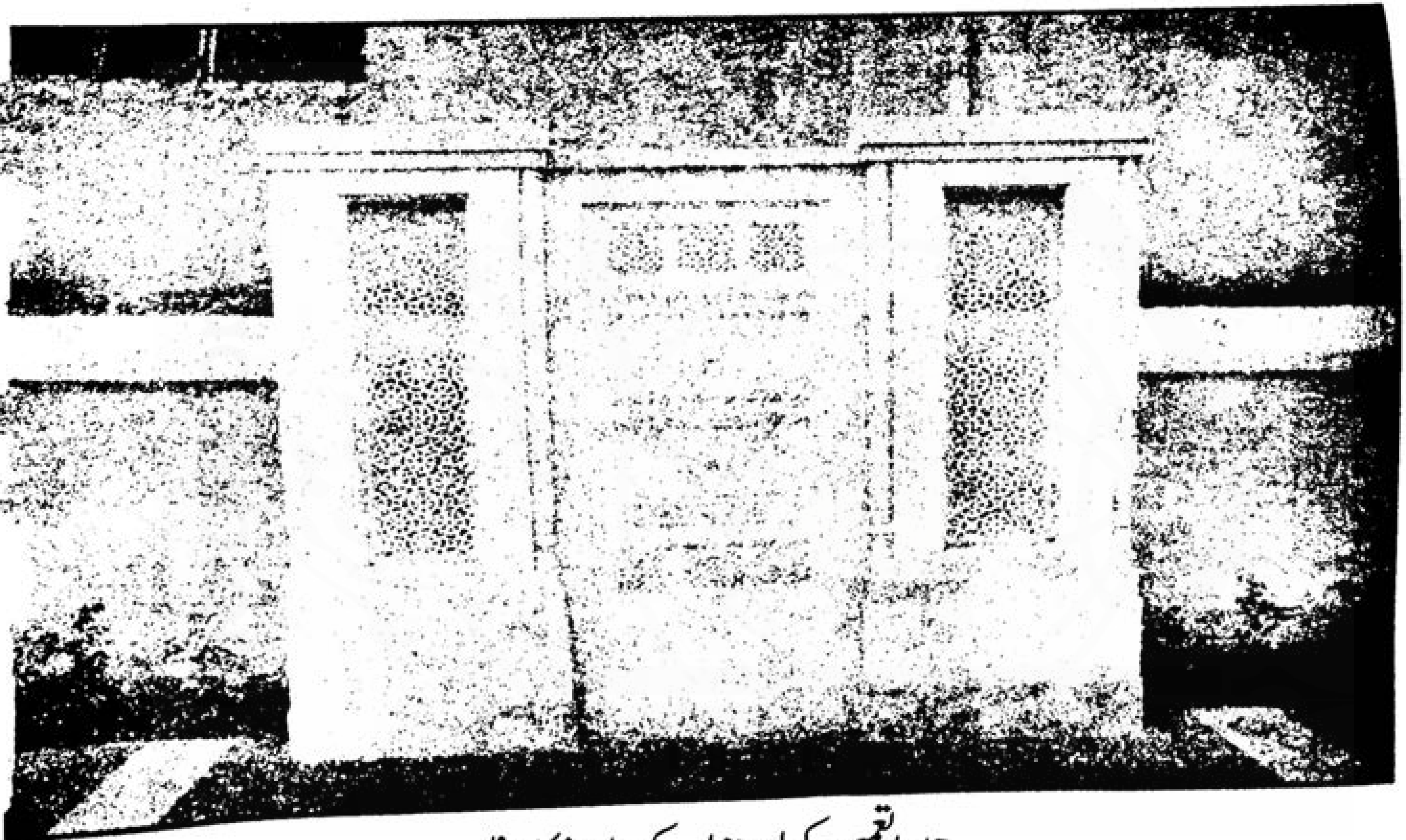
غالب اکیڈمی کی عمارت کے ساتھ مزار غالب جدید تعمیر کے بعد



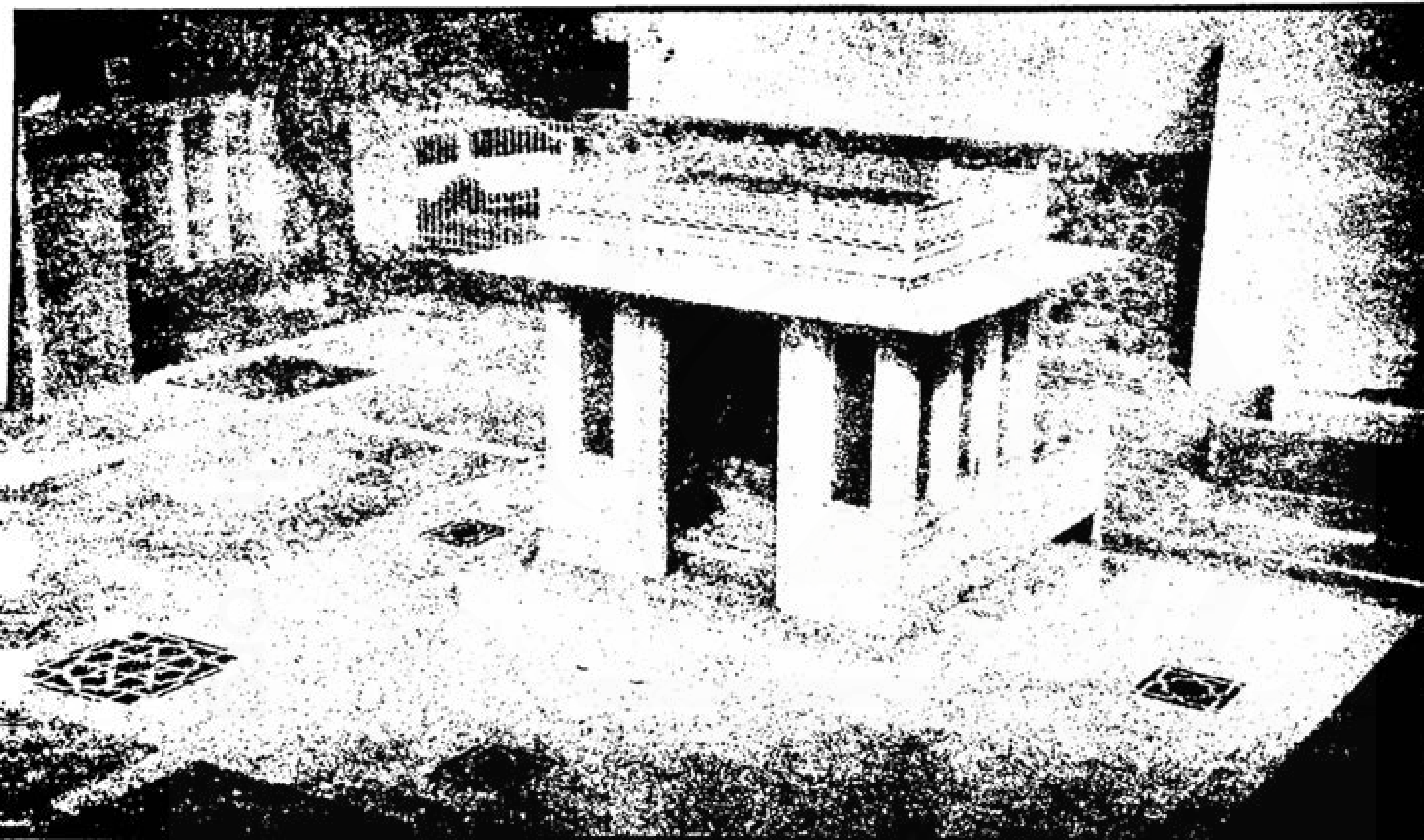
جدید تعمیر کے دوران



چہار دیواری کی جدید تعمیر کا منظر



جدید تعمیر کے بعد مزار کے سامنے کا منظر



جدید تعمیر کے بعد مزار غالب کا فرش



جدید تعمیر کے بعد مزارِ غالب کا صحن

GHALIB ACADEMY
Basti Hazrat Nizamuddin, New Delhi-110013

ISBN 81-904001-4-2

9 788190 400145

[redacted]